حضرت ابراہیم

حضرت ابراہیم

آر۔ بخت

hazrat ibrāhīm

Hazrat Ibraheem

by R. Becht

(Urdu—Persian script)

© 2019 MIK

published and printed by
Good Word Communication Services Pvt. Ltd.
New Delhi, INDIA

Bible quotations are from UGV.

for enquiries or to request more copies:
askandanswer786@gmail.com

تعارُف

ہماری نظر سے شاذ و نادر ہی کوئی ایسی کتاب گزری ہے جس کا مصنف تاریخ کے خشک واقعات میں زندگی پھونکنے اور ہمارے سامنے جیتی جاگتی تصویر پیش کرنے میں کامیاب ہوا ہو۔ تاہم یہ کتاب اِسی قسم کی ایک کامیاب اور قابلِ تعریف کاوِش ہے۔

حضرت ابراہیم کے حالاتِ زندگی کی تفصیلات توریت کی پہلی کتاب پیدائش کے باب 11 تا 25 میں درج ہیں۔

اٹھارھویں صدی قبل از مسیح کے اوائل سال تھے کہ ایک دن بیٹھے بٹھائے دریائے یردن کی پُرامن وادی میں تہلکہ مچ گیا۔ خبر بجلی کی طرح پھیل گئی کہ دریائے فرات کا حکمران شاہ کدرلاعُمر جنگ کے لئے چڑھا چلا آرہا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ کنعان کے بہت سے قبائل کو شکست دے چکا ہے۔

اُس وقت وادیِ یردن کے پانچ بڑے اور مشہور شہر بنام سدوم، عمورہ، ادمہ، ضبوئیم اور ضُغر تھے۔ اُن کے الگ الگ حکمران تھے۔ بارہ سال تک شاہ کدرلاعُمر کو خراج ادا کرنے کے بعد اُنہوں نے تیرھویں

سال خراج دینے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ اب شاہ کدرلاعُمر دریائے یردن کی سرسبز و شاداب وادی کی طرف پیش قدمی کرتا چلا آ رہا تھا۔ اب نافرمان رعایا کو سزا دے کر دکھانا تھا کہ اُس کا کیا انجام ہوتا ہے جو خراج دینے سے انکار کر دے۔

پانچوں حکمران سخت گھبرا گئے۔ رات دن کا چَین اُن پر حرام ہو گیا۔ اُنہوں نے تیزی سے اپنی فوجوں کو منظم اور کیل کانٹے سے لیس کرکے لڑنے کے لئے تیار کیا۔ ایک خصوصی اجلاس منعقد ہوا تاکہ مل کر تیاریاں کریں۔ سب پر یہ خیال حاوی تھا کہ انکار کرنے سے ہم نے خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے۔ ہم کس طرح شاہ کدرلاعُمر اور اُس کے قوی لشکر کا مقابلہ کرسکیں گے؟ سدوم کا حکمران اپنے لب و لہجے میں اعتماد پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا، "بھائیو! گھبراتے کیوں ہو؟ حوصلہ رکھو۔ ہم اب کی مرتبہ کدرلاعُمر کے دانت کھٹے کر دیں گے۔ اُس نے ہمیں سمجھا ہی کیا ہے! ہم اُسے بحیرۂ شور کی وادی میں جا لیں گے جہاں رال کے گڑھے اُس کے شاندار رتھوں کی پیش قدمی کو روکیں گے اور یوں اُس کی تنزلی اور شکست کا سبب بنیں گے۔"

تاہم وہ سب صورتِ حال کی سنگینی سے خوب آگاہ تھے۔ ایسی باتیں کہنا آسان تھا، لیکن اُن پر عمل کرنا مشکل۔ کیونکہ دریا میں رہ کر مگرمچھ سے بَیر رکھنے کی حماقت اُن سے سرزد ہو چکی تھی۔ پانچوں شہروں کے باشندے عجیب تذبذب میں دن بسر کر رہے تھے۔ اُن کو ہر وقت یہی فکر ستا رہی تھی کہ جانے دشمن بادشاہ کہاں تک بڑھ چکا ہے؟ وہ ہر آنے والے دن کا خوف اور دہشت سے انتظار کر رہے تھے۔ ہر ایک پر یہ سوال سوار تھا: آج کا جو سورج طلوع ہوا ہے کیا ہم اُس کے غروب ہونے تک آزادی کا سانس لے سکیں گے؟ یا کیا ہماری قسمت کا ستارہ ڈوب جائے گا اور یہ دن ہمیں غلامی کی زنجیریں پہنا دے گا؟ کیا ہم باقی ماندہ زندگی کسی اجنبی ملک میں اسیری کی حالت میں گزاریں گے؟

اِس مشکل اور صبر آزما وقت میں اُنہیں اپنے دیوتاؤں کی یاد آئی: ماضی میں دیوتاؤں نے ہم پر بڑی دیا کی ہے۔ کیا ہم اُن ہی کی مہربانی سے خوش حال نہیں ہیں؟ وہ اُن کے سامنے مخصوص قربانیاں گزراننے لگے۔ بعل نامی دیوتا اُن کا خاص دیوتا تھا، اور اُسی کو سب سے زیادہ نذریں گزرانی گئیں۔ مگر حالات جوں کے توں رہے اور پانسہ پلٹنے کے

کوئی آثار نظر نہ آئے۔ پھر خیال آیا کہ کیا ہمیں بعل کی منظوری حاصل کرنے کے لئے کچھ اَور کرنا چاہیئے؟ کیا وہ بچوں کی قربانیوں سے خوش ہو گا؟ وہ اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کے لئے اپنے عزیز اور معصوم بچوں تک کو بھینٹ چڑھانے پر آمادہ تھے۔ اُنہوں نے گڑگڑا کر دیوتاؤں کے سامنے منت سماجت کی اور مِنّتیں مانیں۔

مگر بتوں کی نہ جھپکنے والی آنکھیں اُن کی پریشانی اور ذہنی کوفت کو نہ دیکھ سکیں۔ ویسے سچ تو یہ ہے کہ اِس وادی کے باشندے اپنی بدکرداری کے لئے ملک کے طول و عرض میں بدنام تھے۔ حقیقت یہ تھی کہ اگر آج بھی حالات اُن کے حق میں پلٹا کھاتے تو اُن میں کوئی اپنی بُری راہوں سے باز آنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ وہ صرف وقتی طور پر بُرے وقت سے بچاؤ کے لئے آہ و بکا کر رہے تھے۔

پھر ایک دن وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔ شاہ کدرلاعُمر بحیرۂ شور کی وادی میں آ دھمکا۔ پانچوں شہروں کی فوجوں نے اُس کا جی جان سے مقابلہ کیا۔ مگر برسوں کی تن آسانی اور عیاشی نے اُنہیں سُست اور آرام طلب بنا دیا تھا۔ وہ زیادہ دیر تک جم کر مقابلہ نہ کر سکے۔ جلد ہی اُن کے حکمران حواس

باختہ ہوکر میدانِ جنگ سے بھاگ نکلے۔ جب سرداروں اور سپہ سالاروں کا یہ حال ہو تو پھر عام سپاہ کا کیا کہنا! وہ سب بھی ہمت ہار گئے اور اپنی جان بچانے کو بھاگ اُٹھے۔ میدانِ جنگ سے بھاگتے ہوئے اُن میں سے بہت سے اُن ہی رال کے گڑھوں میں گر گئے جن سے اُنہوں نے یہ اُمید وابستہ کی تھی کہ وہ دشمن کی ہلاکت اورشکست کا باعث بنیں گے۔ بھاگتے ہوئے سپاہیوں میں سے جو باقی بچے وہ اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر پہاڑوں میں جا چھپے۔

شاہ کدرلاعُمر اور اُس کے تین اتحادیوں کے لئے اب موقع تھا کہ سدوم، عمورہ اور دیگر مالدار شہروں کو لُوٹ لیں۔ غرض اُنہوں نے اِن شہروں کو خوب تاخت و تاراج کر کے کسی قیمتی چیز یا اناج کو شہر میں باقی نہ رہنے دیا۔ جتنے فرار نہ ہو سکے تھے اُن کے ہاتھ لگ گئے۔ اُنہیں زنجیریں پہنا کر بھیج دیا گیا۔ پھر فتح مند فوج نے وادیِ یردن کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے گھر کا رُخ کیا۔

بچے ہوئے شہریوں میں سے ایک نے اپنی چھپنے کی جگہ سے قیدیوں کا المناک نظارہ دیکھا— روتے ہوئے بچے، واویلا کرتی ہوئی مائیں، خوف

زدہ نوجوان اور معمر لوگ جن کی کمریں ضعیفی سے زیادہ فرطِ غم سے جھک گئی تھیں۔ اُس کے دل کو اِس منظر سے سخت صدمہ پہنچا۔ بیچ میں اُس نے اجنبی لوط اور اُس کے گھرانے کو بھی پہچان لیا۔ لوط کو دیکھتے ہی اُسے خیال آیا کہ مَیں جا کر اِس کی خبر لوط کے تایا حضرت ابراہیم کو دوں گا۔ یقیناً یہ امیر اور دلیر خانہ بدوش اپنے بھتیجے لوط اور دیگر بدقسمت لوگوں کو بچانے کی کوئی تدبیر نکال لے گا۔ لیکن اِس کے لئے بہت جلد حضرت ابراہیم کو خبر دینی چاہیئے۔ یہ سوچتے ہی وہ وہاں سے بھاگ اُٹھا۔

تیز بھاگتے ہوئے وہ بالکل بھول گیا کہ اُسے خیموں سے کچھ فاصلے پر رُکنا چاہیئے۔ لیکن کتوں کے بھونکنے کی آواز نے اُسے خبردار کر دیا۔ تب ایک گھمبیر اور باوقار آواز نے تند خو کتوں کو خاموش رہنے کو کہا۔ قاصد یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا کہ قبیلے کے سردار ابراہیم خود چلے آ رہے ہیں تاکہ اُسے اندر آنے کی دعوت دیں۔

”تم پر سلامتی ہو“ حضرت ابراہیم نے اجنبی کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا، ”تم ہانپ رہے ہو۔ اندر آ کر آرام کرو۔“

”جناب معافی چاہتا ہوں۔ مَیں وقت ضائع نہیں کرسکتا۔“ قاصد نے تیزی سے کہا، ”مَیں بُری خبر لایا ہوں۔ دریائے فرات کے حاکموں نے سدوم اورعمورہ کو خالی کر دیا اور بہتوں کو قیدی بنا لیا ہے۔ آپ کا بھتیجا لوط اور اُس کا گھرانا بھی اسیروں میں شامل ہیں۔ مہربانی سے اُن کی مدد کیجئے۔ لیکن جناب، جلدی کیجئے ورنہ اُن کے مقدّر پر غلامی کی مہر لگ جائے گی۔“

حضرت ابراہیم اپنے سفید بالوں کے ساتھ اُس لمبے چوغے میں نہایت باوقارنظر آ رہے تھے۔ اُن کے چہرے کا پُرسکون تاثرگویا اُن کے چہرے کی خصوصی کشش تھی۔ اطمینان وسکون بلکہ توانائی اور تازگی اُن کے چہرے سے نکل کر دوسروں تک پہنچتی معلوم ہوتی تھی۔ اب اُن کی نگاہیں قاصد پرنہیں بلکہ آسمان کی طرف اُٹھی تھیں۔ قاصد سوچنے لگا کہ کیا وہ اپنے خدا سے دعا کر رہے ہیں؟ کیا وہ راہنمائی کی التجا کر رہے ہیں؟ اگلے ہی لمحے حضرت ابراہیم بولے، ”آسمان کا خدا اِس کام میں ہماری مدد کرے گا۔ مَیں اپنے آدمیوں کو لے کر فوراً اُن قیدیوں کو

چھڑانے کے لئے جاتا ہوں۔ لیکن میرے دوست، تم یہاں آرام کرو۔ فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

جلد ہی پورے ڈیرے میں ہلچل مچ گئی۔ حضرت ابراہیم نے اپنے خادموں کو وقت کی ضرورت سے آگاہ کیا اور اُن میں سے 318 تجربہ کار جوان مردوں کا اِنتخاب کیا۔ وہ سب خاندان کے افراد کی مانند تھے اور خاندان اور قبیلے کی عزت کی خاطر مر مٹنے کو تیار رہتے تھے۔ وہ قبیلے کی حفاظت کرنا اپنا فرضِ منصبی خیال کرتے تھے۔ نیز وہ سب کے سب باضبط اور جرأت مند جیالے تھے جن کی بہادری اور وفاداری میں کسی کو کلام نہ تھا۔ وہ اپنے آقا اور سردار حضرت ابراہیم کی قیادت میں ہر وقت اور ہر جگہ جانے کو مستعد رہتے تھے۔ علاوہ ازیں تین اموری بھائیوں ممرے، اسکال اور عانیر نے حضرت ابراہیم کے ساتھ اتحاد کر لیا۔ اب وہ سب مل کر دشمن کے تعاقب میں تیزی سے نکلے۔

شاہ کدرلاعُمر اور اُس کے اتحادیوں نے دان کے مقام پر ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیم اور اُن کے ساتھی اُن کا پیچھا کرتے ہوئے وہاں جا پہنچے۔ رات کا وقت تھا۔ اُنہوں نے تاریکی کی اوٹ

میں حالات کا جائزہ لینے کی ٹھانی۔ مگر قریب جا کر معلوم ہوا کہ حملہ آور فوج اپنی فتح کے نشے میں اِس قدر چُور ہے کہ اُنھوں نے ڈیرے کی حفاظت کے لئے پہرے دار بھی تعینات کرنے کی زحمت نہ کی تھی۔ اِس پرطرہ یہ کہ وہ سب خوابِ خرگوش میں مدہوش تھے۔ غرض حضرت ابراہیم کے لئے میدان صاف اور حالات ساز گار تھے۔

اُنھوں نے اُن پر یکایک ہلّہ بول دیا۔ چونکہ دشمن تاحال پوری طرح بیدار بھی نہ ہوئے تھے اور سخت حواس باختہ تھے، اِس لئے وہ سمجھے کہ مصریوں نے ہم پر حملہ کر دیا ہے۔ وہ بغیر مزاحمت کئے رات کے اندھیرے میں اپنی اپنی جان بچا کر بھاگے۔ حضرت ابراہیم اور اُن کے آدمیوں نے دمشق کے شمال میں واقع خوبہ کے مقام تک اُن کا تعاقب کیا۔ قصہ مختصر یہ کہ اللّٰہ نے اپنے بندے کو فتح و نصرت سے ہمکنار کیا۔

خوش قسمتی سے سب قیدی اور اُن کا سارا مال و متاع محفوظ تھا۔ وہ جوں کا توں، صحیح و سالم اِن کے ہاتھ آ گیا۔ لوط اپنے تایا جان کی بروقت مدد اور بچاؤ کے لئے نہایت شکرگزار تھا۔ لیکن بزرگ ابراہیم نے

جواب دیا، ”میرے عزیزو! سچے خدائے قادر نے ہمیں فتح بخشی۔ اُسی کا شکر ادا کرو۔“

جب حضرت ابراہیم اور اُن کے ساتھی کامیاب و کامران واپس آ رہے تھے تو لوگ اُن کا خیر مقدم کرنے اور اُنہیں مبارک باد دینے کے لئے نکلے۔ اُن کے درمیان سدوم کا بادشاہ بھی تھا جو فرار ہو کر پہاڑ پر جا چھپا تھا۔ یہ بزدل بادشاہ اب فکرمند تھا کہ بزرگ ابراہیم اُس کے لوگوں اور اُن کے مال و متاع سے کیا کریں گے! دستور اور قاعدے کے لحاظ سے فتح مندوں کو حق پہنچتا تھا کہ وہ سارے ساز و سامان اور مال و متاع پر قبضہ کر لیں۔ لیکن تاحال اِس ضمن میں کسی کو اُن کے ارادے کا علم نہ تھا۔ سدوم کا بادشاہ اُن کی نیت کی ٹوہ لینے کے لئے بے تاب تھا، لہٰذا وہ بظاہر بڑے انکسار سے بولا، ”براہِ کرم آپ یہ سارا مال و متاع رکھ لیجئے۔ لیکن اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو سدوم کے شہری مجھے واپس کر دیجئے۔“

بزرگ ابراہیم خوب جانتے تھے کہ وادیِ یردن کے لوگ کس قسم کے افراد ہیں اور اُن کے بادشاہ اُن سے بھی بدتر۔ اِس لئے اُنہوں نے

نہایت متانت سے جواب دیا، "مَیں نے رب سے قَسم کھائی ہے، اللّٰہ تعالیٰ سے جو آسمان و زمین کا خالق ہے کہ مَیں اُس میں سے کچھ نہیں لوں گا جو آپ کا ہے، چاہے وہ دھاگا یا جوتی کا تسمہ ہی کیوں نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کہیں، 'مَیں نے ابرام کو دولت مند بنا دیا ہے۔'"

پاس کھڑے ہوئے لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھا، گویا کہہ رہے ہوں بزرگ ابراہیم نے بجا فرمایا۔ اگر وہ سدوم کے حکمران سے کچھ لے لیتے تو وہ کم ظرف اِسی طرح کی باتیں بناتا پھرتا۔

بعد ازاں سالم (یروشلم) کے بادشاہ مَلکِ صدق نے بڑی گرم جوشی سے حضرت ابراہیم کو مبارک باد پیش کی۔ یہ بادشاہ حق تعالیٰ کا امام بھی تھا۔ اُس نے اُن کی مہمان نوازی کی اور اُن کے سامنے کھانے پینے کی چیزیں رکھ کر اُنہیں برکت دیتے ہوئے کہا، "ابرام پر اللّٰہ تعالیٰ کی برکت ہو، جو آسمان و زمین کا خالق ہے۔ اللّٰہ تعالیٰ مبارک ہو جس نے تیرے دشمنوں کو تیرے ہاتھ میں کر دیا ہے۔"

اِن حوصلہ افزا کلماتِ برکت سے تھکے ماندے جنگجو بزرگ کو بہت تقویت حاصل ہوئی۔ اُن کا دل شادمانی سے بھر گیا جب اُنہوں نے دیکھا کہ بت پرستوں کی اِس نگری میں میرے علاوہ کوئی اَور بھی واحد خدا کا پرستار ہے۔ کوئی میرا ہم اعتقاد اور اہلِ ایمان ہے۔ چونکہ سالم کا بادشاہ مَلکِ صدق امام بھی تھا اِس لئے اُنہوں نے فضیلت اور برتری کو تسلیم کیا اور اُس کی خدمت میں مالِ غنیمت کی ہر چیز کا دسواں حصہ پیش کیا۔ سب نے حضرت ابراہیم کو مبارک باد دی اور اُن کی جرأت اور جواں مردی کی داد دی۔

لیکن رات کی تاریکی اور تنہائی میں جب بزرگ ابراہیم اپنے بستر پر لیٹ گئے تو بے چین خیالات اُسے ستانے لگے، "آخر کیا نتیجہ نکلے گا ؟ شاہ کدرلاعُمر اور اُس کے جرنیل قدموں کے نشانوں سے جلد ہی اِس نتیجے پر پہنچ جائیں گے کہ مصریوں کی کسی باقاعدہ منظم فوج نے علاقے کے قرب و جوار میں نقل و حرکت نہیں کی، بلکہ یہ چند آدمیوں کا دستہ تھا جنہوں نے اُن پر گوریلا انداز میں اچانک دھاوا بول دیا تھا۔ عین ممکن ہے کہ وہ حملہ

آوروں کا کھوج لگاتے اِسی طرف چلے آ رہے ہوں۔ شاہ کدرلاعُمر انتقام لینے کی ضرور کوشش کرے گا۔“

حضرت ابراہیم بستر پر لیٹے ایسے حوصلہ شکن اندیشوں میں غرق کروٹیں بدلتے رہے۔ آخر کار تھکان کی شدت سے اُنہیں نیند آ ہی گئی۔ چونکہ اُنہیں آج رات حوصلہ افزائی کی خاص ضرورت تھی اِس لئے اللہ اُن پر رویا میں ظاہر ہوا اور فرمایا، ”اے ابراہیم، مت ڈر۔ مَیں ہی تیری سپر ہوں، مَیں ہی تیرا بہت بڑا اجر ہوں۔“

یہ سنتے ہی اُن کے سارے اندیشے دُور ہو گئے۔ وہ جان گئے کہ اللہ نے میری حفاظت کے لئے میرے گرد باڑ لگا دی ہے۔ کدرلاعُمر بھی اِسے توڑ نہیں سکتا۔ تاہم خدا کے کلام کے دوسرے فقرے سے بزرگ ابراہیم زیادہ متاثر ہوئے۔ اللہ نے فرمایا تھا کہ ”مَیں ہی تیرا بہت بڑا اجر ہوں۔“ خدائے جلیل اپنی تمام تر برکات کے ساتھ اُن کا اجر تھا! کتنا عظیم کرم تھا اللہ کا اُن پر۔

چونکہ حضرت ابراہیم اِس لمحے اللہ کو انتہائی قریب محسوس کر رہے تھے، اِس لئے اُنہیں کھل کر بات کرنے کی دلیری ہوئی۔ اُنہوں نے

مناسب جانا کہ اپنے دل کے پوشیدہ غم کو اُس کے سامنے پیش کریں۔ اُنہوں نے کہا، "اے ربِ قادرِ مطلق، تُو مجھے کیا دے گا جبکہ ابھی تک میرے ہاں کوئی بچہ نہیں ہے اور اِلی عزر دمشقی میری میراث پائے گا۔ تُو نے مجھے اولاد نہیں بخشی، اِس لئے میرے گھرانے کا نوکر میرا وارث ہو گا۔" یہ کہتے ہی بزرگ ابراہیم کو خیال آیا کہ مجھے خدا سے اِتنی بے باکی سے بات نہیں کرنی چاہئے۔

لیکن اللہ نے بڑے تحمل سے جواب دیا، "یہ آدمی اِلی عزر تیرا وارث نہیں ہو گا بلکہ تیرا اپنا ہی بیٹا تیرا وارث ہو گا۔"

دراصل اللہ حضرت ابراہیم کی پریشانی کو تب ہی سے جانتا تھا جب وہ اُس کے دل میں پیدا ہوئی تھی۔ وہ خوش تھا کہ اُس کے محبوب نے اپنے دلی اندیشے کو اُس پر ظاہر کیا ہے۔ اب خدا ابراہیم کو باہر لے گیا۔ تاروں بھری رات تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ریت اُن کے قدموں کو چوم رہی تھی۔ اُن کے سر کے اوپر آسمان کی صاف شفاف نیلگوں چادر پر لاتعداد ستارے جگمگا رہے تھے۔ اللہ نے فرمایا، "آسمان کی طرف نگاہ کر۔ اگر تُو

ستاروں کو گن سکتا ہے تو گن۔ تیری اولاد ایسی ہی ہو گی۔ آسمان کی طرف دیکھ اور ستاروں کو گننے کی کوشش کر۔ تیری اولاد اِتنی ہی بےشمار ہو گی۔“

حضرت ابراہیم خدائے واحد کی آواز کو خوب پہچان گئے تھے۔ اُنہوں نے اپنے کانوں کو اِس آواز کو سننے کا ایسا عادی کر لیا تھا کہ وہ سوتے جاگتے اِس مانوس آواز کو سن سکتے تھے۔ وہ حق تعالیٰ کے احکام کو اچھی طرح سن کر ذہن نشین کر لیتے تھے۔ اب پھر اُنہیں اللہ کی آواز سنائی دی۔ اُس نے فرمایا: ”مَیں رب ہوں جو تجھے کسدیوں کے اُور سے نکال لایا کہ تجھ کو یہ ملک میراث میں دوں۔“

یہ کیسی بات تھی؟ حضرت ابراہیم کی اب تک کوئی اولاد نہ تھی، اور وہ اور اُن کی بیوی سارہ دونوں عمر رسیدہ ہوتے جا رہے تھے۔ ایسی صورت میں اللہ کے وعدوں پر یقین کرنا آسان نہ تھا۔ اور ملکِ کنعان اُن کی میراث میں کس طرح آ سکتا تھا؟ کنعانی تو وہاں آباد ہو کر ملک پر پہلے ہی قابض ہو چکے تھے۔ پھر وہ پس ماندہ لوگ بھی نہیں تھے جن پر غلبہ پانا آسان ہوتا۔ تاریخ شاہد ہے کہ وہ اُس وقت بھی لکھائی کے فن سے آشنا تھے اور اُن کے ہاں سِکّے کا استعمال رائج تھا۔ اُن کے شہروں کے

پھاٹکوں پر عدل و انصاف کی چوکیاں تھیں جہاں جھگڑے چکائے جاتے اور معاملے طے ہوتے تھے۔ غرض یہ بات ناممکن نظر آتی تھی کہ اِس بے اولاد خانہ بدوش کی نسل ایسے ترقی یافتہ لوگوں کو ملک سے نکال باہر کرتی اور خود اُس پر قبضہ جما لیتی۔

حضرت ابراہیم اِس صورتِ حال سے خوب واقف تھے۔ توبھی اُنہیں اللہ کے وعدے پر یقین آیا، اور وہ پکار اُٹھے، "مَیں خدا پر ایمان رکھتا ہوں۔"

یہ کتنا عظیم ایمان تھا۔ گو اب تک حضرت ابراہیم کو نہ بیٹا اور نہ ہی ملک حاصل تھا، توبھی اُس کا اللہ پر ایمان مضبوط رہا۔ یہی پختہ ایمان دیکھ کر قادرِ مطلق نے اُنہیں راست باز قرار دیا۔ اِس لئے نہیں کہ خدا کے یہ خادم کامل تھے بلکہ اِس لئے کہ خدائے رحیم و کریم نے اُن کا ایمان دیکھ کر اُن کو اُن کی تمام تر خامیوں اور کمزوریوں کے باوجود منظور کر لیا تھا۔ لیکن اب وہ رفتہ رفتہ، قدم بہ قدم اُن کی ایسی راہنمائی کرے گا کہ وہ بالآخر ایسے انسان بن جائیں گے جو حق تعالیٰ کے دل کے مطابق ہوں۔ اور یاد رہے کہ اِس بتدریج ترقی کی بنیاد اللہ کے وعدے پر ایمان تھا۔

یہ بزرگ ابراہیم کون تھے جنہیں لوگ آج بھی خلیل اللہ یعنی اللہ کا دوست کہہ کر پکارتے ہیں؟ کیا یہ بے وقوفی نہ تھی کہ اُنھوں نے اپنا اچھا بھلا وطن ترک کر دیا تاکہ دوسرے ملک میں جا کر کسی نئے مذہب کی بنیاد رکھیں؟ یا کیا اُن کا کارنامہ صرف یہی تھا کہ اُنھوں نے بہت سے دیوتاؤں میں ایک اَور دیوتا کا مزید اضافہ کر دیا؟ یا کیا وہ فقط مہم جُو تھے؟ کیا اُن کے پاس سچے خدا کا کوئی ٹھوس ثبوت تھا؟ جو بھی ہو، کیا یہ اَمر قابلِ غور نہیں کہ اِس واحد سچے خدا کا اُن کے دل و دماغ پر ایسا گہرا اثر ہوا کہ وہ اُس کے اشارے پر اپنا سب کچھ ترک کرنے کو تیار تھے۔ ہاں اپنے وطن اور بڑے قبیلے کا تحفظ بھی اُن کی نظر میں اللہ کے حکم کے مقابلے میں کوئی وقعت نہ رکھتا تھا۔

حضرت ابراہیم کہاں سے آئے تھے؟ اُنھوں نے کس وجہ سے اُس علاقے کو خیرباد کہا جو انسان کی پہلی تہذیب کا گہوارہ تھا، جہاں گلّوں کے لئے سرسبز چراگاہیں اور اِنسان کے لئے خوراک بافراط تھی؟

آیئے اُس ملک کی طرف چلیں جہاں حضرت ابراہیم پیدا ہوئے اور پروان چڑھے تھے۔

حضرت ابراہیم کے آبائی ملک مسوپٹامیہ (عراق) میں سورج آہستہ آہستہ طلوع ہو رہا تھا۔ اب اُس کی تابناک شعاعیں لہلہاتے کھیتوں، ہنستے بولتے دیہاتوں، خانہ بدوشوں کے خیموں اور بڑے بڑے فصیل دار شہروں پر پڑنے لگیں۔ دجلہ اورفرات کے بڑے دریاؤں کا شفاف پانی دھوپ میں جگ مگ جگ مگ کرنے لگا۔ اِن ہی دو دریاؤں کی وجہ سے اِس علاقے کومسوپٹامیہ کا نام دیا گیا تھا جس کا مطلب "دریاؤں کے درمیان" یا "دوآب" ہے۔

صبح کے اِس سہانے وقت میں ایک کسان اپنے اشیا سے خوب لدے پھندے گدھے کو شہر اُور کی طرف ہانکتا نظر آیا۔ وہ ملک کی اُن بے شمار نہروں میں سے ایک کے کنارے چلتا گیا جو کھیتوں کی آب پاشی کے لئے استعمال کی جاتی تھیں۔ آس پاس حدِ نگاہ تک سرسبز و شاداب پھلدار پیڑ، جھاڑیاں اور سبزہ بکثرت دیکھنے میں آتا تھا۔ اِس میدانی علاقے میں کوئی پہاڑی یا ٹیلا نہ تھا۔ کھجور کے خوش نما درخت میدانی علاقے کی یکسانیت کو کم کرکے اُس میں انوکھے حسن و دل کشی کا جادو جگاتے تھے۔

مسافر گدھے پر رکھے ٹوکرے میں سے انگور کا ایک گُچھا نکال کر اُس کے ذائقے سے لطف اندوز ہونے لگا۔ اُس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ یہ انگور اور سیب کتنے اچھے داموں بِک جائیں گے۔ ساتھ ہی گندم کی دوسری فصل تیار ہو رہی ہے۔ اچانک ایک آواز نے کسان کی سوچوں کا سلسلہ منقطع کر دیا، ”دیوتا کی رحمت تم پر ہو۔“

ایک آدمی کھیتوں کی کسی پگڈنڈی سے نکل کر قریب آ گیا۔ اُس کے سر پر کھجور کے ریشے سے بنی ہوئی رسیوں اور چٹائیوں کا وزنی گٹھا تھا۔ وہ بھی قدیم شہر اُور کو جا رہا تھا۔ اِس تجارتی شہر پر کاہن کی حکمرانی تھی۔

کسان اُسے دیکھ کر مسکرانے لگا۔ "چند ہفتے پہلے بھی ہماری اِسی طرح ملاقات ہوئی تھی۔ میری فصل بہت عمدہ ہوئی ہے۔ اُمید ہے دیوتا تم پر بھی اُسی طرح مہربان رہے ہیں جس طرح مجھ پر۔" لیکن یہ کہتے ہوئے اُس کے ماتھے پر فکرمندی سے بل پڑ گئے۔ وہ کہنے لگا، "لیکن دیوتاؤں کی نوازش کا کیا بھروسا ... کون جانے وہ کب ناراض ہو جائیں۔"

رسیوں والے مرد نے اپنی پیشانی پر سے پسینہ پونچھا، حالانکہ اُس نے کولھوں کے گرد کس کر باندھے ہوئے لنگوٹ کے علاوہ کچھ نہیں پہنا تھا۔ اُسے گرمی لگ رہی تھی۔ اپنے گٹھے کے بوجھ تلے احتیاط سے قدم مارتے ہوئے اُس نے ہاں میں سر ہلایا اور بولا، "ارے ہاں، تھوڑی دیر ہوئی مَیں بالکل یہی سوچ رہا تھا۔" اُس نے رازدارانہ لہجے میں کہا، "ہم خوش نصیب ہیں کہ اِن سردیوں میں بڑے دریاؤں میں سیلاب نہیں آیا۔ سیلاب اپنے ساتھ کیسی کیسی مصیبتوں کا طوفان لایا کرتا ہے۔ بھئی،

دیوتاؤں کا جو جی چاہے کرتے ہیں۔ کبھی بڑی نوازش کرتے اور کبھی پل بھر میں سب کچھ مَلیامیٹ کر ڈالتے ہیں۔ ہمیں تو جو کچھ مقدّر دے وہی لینا پڑتا ہے۔ لیکن بھائی، معلوم ہوتا ہے کہ دیوتا ہماری مصیبت اور بدحالی سے خوش ہوتے ہیں۔ کاش کوئی بتائے کہ ایسا کیوں ہے!" اُس نے آخری جملہ پھر سرگوشی کے لہجے میں کہا۔

دونوں مسافر اِسی طرح کی باتیں کرتے اچھی رفتار سے چلے جا رہے تھے۔ اب اُنہیں اپنے سامنے اُور کا شہر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اُس کا سیڑھی نُما 70 فٹ اونچا مینار آسمان سے باتیں کرتا دکھائی دے رہا تھا۔ رسّی والے نے کہا، "چاند دیوتا سین کا مندر کتنا شاندار ہے۔ یقیناً وہ بڑا طاقت ور دیوتا ہے۔ آج واپسی پر اُسی سے پرارتھنا کروں گا۔"

"سین دیوتا کی جے،" کسان زیرِلب بُڑبڑایا۔

دونوں لمحے بھر کو ٹھہر کر اونچے شاندار مینار کا نظارہ کرتے رہے۔ یہ مینار نیچے سے اوپر تک چوڑائی میں کم ہوتی ہوئی کئی سیڑھیوں اور چبوتروں پر مشتمل تھا۔ سب سے اونچے چبوترے پر دیوتا کی مورتی کا مندر تھا۔ دونوں راہگیر مینار اور اُس کے آس پاس کھجور کے جُھنڈوں پر آخری نگاہ ڈال کر

اپنی اپنی راہ چل دیئے۔ ہر ایک نے فیصلہ کیا کہ واپسی پر مَیں آسمانی پہاڑی پر جاؤں گا۔ (لوگ مندر کو آسمانی پہاڑی سمجھتے تھے)۔

اُس وقت مندر کے ایک کمرے میں ایک آدمی بڑا مصروف تھا۔ وہ مٹی کی تختی پر لکھ رہا تھا۔ کتنے فخر کی بات تھی کہ اُور کے شہر میں کتب خانہ بھی موجود تھا! اُس کے سارے معلومات مٹی کی تختیوں پر محفوظ کی گئی تھیں۔ یقیناً ایک قابلِ ناز مقام تھا۔ چار ہزار سال پہلے کس شہر کو ایسی بیش قیمت ملکیت رکھنے کا شرف حاصل تھا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب موہنجودڑو اور ہڑپہ کی قدیم تہذیب اپنے عروج پر تھی۔ لیکن اُن جیسے شہروں میں ایسے کتب خانے نہیں تھے۔ مسوپتامیہ کے لوگ اپنی اِس خوش نصیبی کے لئے نہایت شکر گزار تھے۔

بعض اوقات یہ کاتب بندرگاہ پر جا کر ملاحوں سے باتیں کیا کرتا تھا جو دُور دراز علاقوں کی سیر کر کے آتے اور وہاں کے حالات کی خبریں سناتے تھے۔ شہر کے مغرب میں فصیل کے ساتھ ساتھ دریائے فرات بہتا تھا۔ سمندر سے آنے والے بحری جہاز ہندوستان اور دیگر مشرقی ممالک سے طرح طرح کا سامان لا کر اُس کی پُرہجوم بندرگاہ پر اُتارتے

تھے۔ نہریں بھی تجارت کے فروغ میں اپنا حصہ ادا کرتی اور چھوٹے چھوٹے جہازوں کو دوسرے مراکز تک لے جاتی تھیں۔ یہی نہریں کھیتوں میں پانی بھی بہم پہنچاتی تھیں، کیونکہ بارش صرف سردی کے موسم میں ہوتی تھی۔ بغیر آب پاشی کے فصلیں نہیں اُگتی تھیں۔

اب کاتب کمرے سے نکل کر بازار کی طرف چلا۔ وہ تنگ گلیوں میں سے گزرنے لگا جو عمارتوں میں سے پیچ و خم کھاتی گزرتی تھیں۔ مکان کچی اور پکی اینٹوں سے بنائے گئے تھے، اور اُن میں کوئی کھڑکی نہ تھی۔ چلتے چلتے کاتب بازار میں پہنچ گیا۔ سبزی اور پھل بیچنے والے زرخیز ملک کی رنگا رنگ پیداوار پیش کر رہے تھے۔ سوداگر ہندوستان، یونان، سری لنکا بلکہ دُنیا کے ہر کونے کے مال کی نمائش کر رہے تھے۔ جو سامان بحری جہاز نہ لا سکے وہ کارواں خشکی کے راستے سے لاتے تھے۔ یہاں دُنیا کی ہر چیز برائے فروخت موجود تھی۔

کاتب ذرا رُک کر ایک ماہر سنار کو عورت کے ماتھے کا جھومر بناتے دیکھنے لگا۔ اُس کا سر فخر سے اونچا ہو گیا۔ کیا اُور کے کاری گر ماسوا مصر کے دُنیا میں اپنی مثال نہیں رکھتے؟ ہر طرف رونق اور چہل پہل دیکھ

کر اُسے اُس وقت کا خیال آیا جب اِس علاقے کی مختلف ریاستوں پر مختلف رئیس حکومت کرتے تھے۔ اُس وقت اُن ریاستوں میں آپس میں اکثر جھگڑے تنازعے رہتے تھے جو عام طور پر آب پاشی سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک ریاست زیادہ نہروں پر قبضہ کرلیتی تھی تو دوسری کے حصے میں کم پانی آتا تھا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اب اِن سب شہروں پر ایک ہی بادشاہ کی حکومت تھی۔ پہلے پہل تو ایک ہی بادشاہ کی حکومت لوگوں کے نزدیک قابلِ قبول نہیں تھا۔ لیکن تجربے نے ثابت کر دیا کہ یہ نظام سب سے بہتر ہے۔ کاتب نے سوچا کہ ہمارے عظیم بادشاہ حمورابی [a] نے ہمارے ملک کی فلاح و بہبود اور خوش حالی کے لئے کتنا کچھ کیا ہے۔ اب سارے ملک میں اَمن چین ہے اور لوگ ہنسی خوشی زندگی بسر کرتے ہیں۔ یقیناً وہ دانش مند بادشاہ ہے۔ اُسی نے سب سے مشہور قوانین نافذ کئے ہیں۔ بے شک اُس نے بابل کے شہر کو خوب بڑا اور مشہور کر دیا ہے جس سے اُور کی اہمیت کچھ کم ہوگئی ہے۔ مگر اِس سے کیا ہوتا ہے، اُور پھر بھی اُور ہے!

[a] Hammurabi

یکایک اُسے یاد آیا کہ اپنی کمسن بیمار بیٹی کے لئے تعویذ خریدنا ہے۔ کاش وہ جانتا کہ بے چاری کو کیا تکلیف ہے! پہلے تو وہ بھلی چنگی، صحت مند اور خوش باش رہتی تھی، لیکن اب وہ اچانک بیمار رہنے لگی تھی۔ بخار تو اُسے چھوڑنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ باپ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ ”کیا دیوتا میرے خلاف ہو گئے ہیں؟ مجھے سین دیوتا کے سامنے ایک اَور قربانی چڑھانی چاہیئے تاکہ وہ بچی پر رحم کرے۔ کاش کہ دیوتا انسانوں سے فرق ہوتے۔ کاش وہ مہربان، مددگار اور پاک ہوتے! اِس کے برعکس وہ اکثر اوقات انسانوں کو اذیت پہنچا کر خوش رہتے ہیں۔ وہ خود عیاش اور گنہگار زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ ناانصافی سے کام لیتے اور ایک دوسرے سے حسد بھی کرتے ہیں۔ بھلا انسان اُنہیں کس طرح خوش کر سکتے ہیں؟“ یہ حال اِس بے چارے کاتب ہی کا نہیں تھا۔ سب لوگ اَن دیکھی طاقتوں سے خائف اور دہشت زدہ رہتے تھے۔

اب سورج غروب ہونے لگا۔ رفتہ رفتہ شہر پر خاموشی چھا گئی۔ جہازوں سے سامان اُتارنے کا شور بند ہو گیا۔ صرف دریاؤں میں لنگر انداز جہاز ہولے ہولے اوپر نیچے جنبش کرتے رہے۔ شہر کی فصیل سے باہر خیموں

میں خانہ بدوشوں کی آوازیں دھیمی دھیمی سنائی دے رہی تھیں۔ سامی قبیلے کا سردار تارح بعض دیگر بزرگوں کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھا۔ اُس کا بیٹا ابراہیم پاس بیٹھا تھا۔ قریب قریب عورتیں روٹی پکانے کے لئے آگ سلگا رہی تھیں۔

نوجوان ابراہیم شام کے پہلے ستاروں پر دھیان دینے لگا۔ پہلے پہل تو وہ بہت مدھم دکھائی دیئے۔ مگر جوں جوں شام ڈھلتی گئی وہ زیادہ شوخ اور تابناک ہوتے چلے گئے۔ ابراہیم ستاروں کو بڑے اِنہماک اور اشتیاق سے دیکھتے رہے۔ وہ سوچنے لگا، "ایک عظیم خدا نے چاند، ستاروں اور سورج کو بنایا ہے۔ آسمان اِس بات کا شاہد ہے کہ وہ خدا اُن دیوتاؤں سے بالکل مختلف ہے جنہیں لوگ جانتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ چاند ستاروں کا خدا کہاں ہے؟ مَیں اُسے کس طرح معلوم کرسکتا ہوں؟"

ہوتے ہوتے یہ سوال اُس کے دماغ میں جنون کی طرح سما گیا۔ آخرکار کھانا تیار ہوگیا تو قبیلے کے ہر فرد نے جی بھر کر کھانا کھایا۔ جب تارح بھی کھانے سے فارغ ہوا تو اُس کے بیٹے نے پوچھا، "ابا جان!

آپ اِن دیوتاؤں کی پرستش کیوں کرتے ہیں؟ ہمارے لوگ اِس علاقے کے بتوں کی پوجا کیوں کرتے ہیں؟ کیا آسمان اور زمین کا خدا سچا خدا نہیں ہے؟ کیا یہ درست نہیں کہ ہمارے آبا و اجداد جو اسوریہ کے شمال سے آئے تھے وہ اِس واحد خدا کی عبادت کرتے تھے؟" جواں سال ابراہیم نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔

تارح خوب بوکھلا گیا۔ وہ شرم ساری سے داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا، "میاں، تم بھی ٹھیک کہتے ہو اورمسوپتامیہ کے لوگ بھی۔" لب و لہجے اور آنکھوں سے معلوم ہو رہا تھا کہ اُس کے خیال میں نوجوان ابراہیم حد سے زیادہ سرگرم ہے۔ خیر ایک دن وہ بھی ٹھنڈا ہو کر بیٹھ جائے گا اور معلوم کر لے گا کہ کوئی وثوق سے یہ نہیں بتا سکتا کہ سچا خدا کون ہے۔ اُس نے کہا، "بیٹا مَیں نے تمہیں کھلے آسمان کے نیچے مذبح بنا کر اللہ کی پرستش کرنا سکھایا ہے۔ اگر تم نے اُس کی عبادت کرنے کا فیصلہ کیا ہے تو بخوشی ایسا کرو۔ لیکن مہربانی کرکے دوسرے دیوتاؤں کے خلاف کوئی سخت کلمے نہ کہو۔ لوگ یہ بات پسند نہیں کریں

گے۔ اگر تم نے میری بات نہ مانی تم ہم سب کو اپنے ساتھ لے ڈوبو گے۔“

حضرت ابراہیم دو دِلا نہیں تھے۔ وہ بولے، ”ابا جان! سچا خدا صرف ایک ہی ہے۔ رات کا آسمان، کائنات کی ہر شے اور ہر سال اپنے وقت پر بدلتے موسم اِس کی شہادت دیتے ہیں کہ سب چیزوں کا خالق ایک ہے۔ اُسی نے اِن سب کو ترتیب دیا ہے۔ وہی اِن سب پر اختیار رکھتا ہے، اور وہی اِن سب چیزوں سے پہلے موجود تھا۔ صرف وہی حمد اور پرستش کے لائق ہے نہ کہ یہ دیوتا جو لوگوں کو تمام وقت دہشت زدہ اور ہراساں رکھتے ہیں۔ مَیں تب تک چَین سے نہیں بیٹھوں گا جب تک اُس سچے واحد خدا کو جان نہ لوں۔“

اُن کے والد سُستی سے سر ہلا کر مسکرا دیئے۔ وہ بھلا کر بھی کیا سکتے تھے؟ وہ جانتے تھے کہ جب بڑا بیٹا کسی کام کو کرنے کا تہیہ کر لے تو اُسے روکا نہیں جا سکتا۔ اور آخر کون جانے وہ اِس واحد حقیقی خدا کو تلاش کر لینے میں کامیاب بھی ہو جائے۔

کیا حضرت ابراہیم سے غلطی تو نہیں ہوئی تھی؟ کیا وہ ایک ایسے خدا کی تلاش میں تھے جس کا وجود ہی نہ تھا؟ برسوں کی بے قراری اور تلاش کے بعد ایسا ہی معلوم ہوتا تھا۔

حضرت ابراہیم کی شادی قبیلے کی حسین ترین خاتون سارہ سے ہوئی تھی۔ اب وہ بھی مسوپتامیہ کی خوش حال سرزمین میں باقی سب لوگوں کی طرح ہنسی خوشی زندگی بسر کر سکتے، اُن کے رسم و رواج میں گھل مل کر اُن کے دیوتاؤں کی پوجا کر سکتے تھے۔ اُن کی ساری زندگی یہاں تک کہ اُن کے والدین کی بھی اُسی ملک میں گزری تھی، اِس لئے یہ فطری

بات تھی کہ وہ اُن ہی لوگوں میں گھل مل جاتے۔ اپنے اعتقاد پر اَڑے رہنے سے کیا حاصل تھا؟ لیکن حضرت ابراہیم کی اللّٰہ کے لئے تڑپ اُن کے دل میں آگ کی مانند تھی۔ اُنھوں نے ہر قیمت پر زندہ اور واحد خدا کی تلاش کرنے کا تہیہ کیا ہوا تھا کہ جب تک وہ اُسے پا نہ لیں وہ ہرگز چین نہ پائیں گے۔

ایک دن اِس عُقدے کو حل کرنے کی زبردست خواہش اُن پر دوبارہ غالب آ گئی۔ تب اُنھوں نے فیصلہ کیا کہ خاموشی اورتنہائی میں کچھ وقت گزاروں، کہ گاؤں کے شورشرابے اور ہنگامے سے دُور ہو کر اِس سوال کا جواب معلوم کروں۔ وہ گدھے پر کچھ کھانا اور پانی کا مشکیزہ رکھ کر گھر سے چل نکلے۔ راستے میں اُن کا دماغ طرح طرح کی سوچوں کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔ کبھی وہ پُراُمید ہوتے اور دل ہی دل میں کہنے لگتے، "وہ ضرور موجود ہے۔ مَیں اُسے معلوم کرکے رہوں گا۔" اور کبھی شک کی پرچھائیاں اُن کے خیالوں پر چھا جاتیں اور وہ کہنے لگتے، "اگر وہ ہے تو مجھے ملتا کیوں نہیں؟ اُسے میری بے قراری کا علم کیوں نہیں؟"

اُمید اور شک کے اِسی کشمکش و پیچ میں سفر طے ہوتا رہا۔ گدھے اور اُس کے سوار کے پیچھے گرد و غبار کا ایک بگولا تعاقب کرتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ لیکن حضرت ابراہیم اپنی سوچوں میں اِس قدر گُم تھے کہ نہر کے کنارے سفر کرتے ہوئے اُنھوں نے کھجور کے درختوں پر نگاہ تک نہ ڈالی، گو اُن کی سبز شاخیں آنکھوں کو تراوت بخشتی تھیں اور اُن کا عکس نہر کے شفاف پانی میں خوب نظر آ رہا تھا۔ پرندوں کی سُریلی آوازیں اُنہیں نہیں سنائی دے رہی تھیں، کیونکہ اُن کا دل بار بار "تُو کہاں؟" "تُو کہاں؟" کا وظیفہ کر رہا تھا۔ اِسی دُھن میں سفر طے ہوتا رہا۔ سچے خدا کو جان لینے کی خواہش جو شروع شروع میں دبی ہوئی چنگاری کی طرح سینے میں سُلگ رہی تھی آج بھڑکتا ہوا شُعلہ بن چکی تھی۔

پہلے پہل تو اُن کے راستے میں کئی دوسرے لوگ بھی دیکھنے میں آئے — غلام جو کھیتوں میں کام کر رہے تھے، تاجر اور کاروباری حضرات جو اپنا مال جانوروں پر لادے یا سروں پر رکھے اُور کی طرف رواں دواں تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ لوگوں کا یہ ہجوم کم ہوتا گیا اور آخر کار بالکل ختم ہو گیا۔ حضرت ابراہیم اکیلے رہ گئے۔ تب اُنھوں نے آرام کرنے کی

ٹھانی۔ اُنھوں نے گدھے کو چھوڑ دیا تاکہ کچھ گھاس چر کر نہر سے پانی پی سکے۔ اُنھوں نے خود بھی مشکیزہ نکال کر اپنی پیاس بجھائی۔ تھوڑی دیر دم لینے کے بعد وہ پھر گدھے پر سوار ہو کر آگے چل پڑے۔ چلتے چلتے وہ ایک بڑے سے کھجور کے درخت کے نیچے ٹھہر گئے۔ گدھا اُن کے قریب ہی گھاس چرنے لگا تو وہ خود پانی پی کر درخت کے نیچے دراز ہو کر آرام کرنے لگے۔ وہ خاصے تھک گئے تھے۔ جلد ہی اُن کی پلکیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں، اور وہ گہری نیند سو گئے۔

سورج غروب ہونے لگا۔ اوپر درخت پر طوطوں کا جُھنڈ ٹَیں ٹَیں کر کے خوب شور مچانے لگا۔ حضرت ابراہیم نے کروٹ لی اور پھر یکایک چونک کر اُٹھ بیٹھے۔ وہ اپنا قیمتی وقت نیند میں گنوانا نہیں چاہتے تھے۔ پھر وہ کچھ جھنجھلا کر سوچنے لگے کہ کون سا طریقہ اِختیار کیا جائے کہ زندہ خدا اپنے آپ کو اُن پر ظاہر کر دے۔ اِسی پریشانی میں اُنھوں نے اُٹھ کر آسمان کی طرف اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے اور نہایت اِنکسار اور خلوص سے دعا کی، "اے خدا مَیں جانتا ہوں کہ تُو موجود ہے۔ میری منت

ہے کہ اپنے بندے پر اپنے آپ کو ظاہر کر۔ مَیں تجھے جاننا اور یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کس طرح تیری خوشنودی حاصل کروں۔"

شام کی شفق میں اُن کے مُؤدّب، سیدھے اور دراز قامت جسم کی شکل صاف دکھائی دے رہی تھی۔ پھر یکایک اُس میں حرکت آئی۔ کوئی غیر معمولی قوت اُنہیں سجدہ ریز ہونے پر مجبور کر رہی تھی۔ چند لمحے اِسی طرح سجدے میں رہنے کے بعد اُن کے لبوں کو جنبش ہوئی تو یہ الفاظ نکلے، "ہاں اے خدا۔ مَیں جاؤں گا۔"

ڈھلتی شام کے سرمئی سائے رات کی سیاہی میں تبدیل ہو چکے تھے۔ حضرت ابراہیم ابھی تک اللہ کی حضوری میں سرنگوں تھے۔ اُن کا دل خدا کے لئے گہری عقیدت اور ستائش سے بھرا تھا۔ اُن کی سوچوں پر یہ خیال حاوی تھا کہ "واحد سچا خدا موجود ہے، اور اُس نے اپنے آپ کو مجھ ناچیز پر ظاہر کیا ہے۔ وہ مجھ سے ہم کلام ہوا ہے۔" اُنہیں اِس سچے خدا کا کہا ہوا ہر لفظ خوب یاد تھا۔ اِس اَن جانی آواز کو سن کر وہ پہلے کسی قدر خوف زدہ سے ہو گئے تھے، لیکن پھر فوراً اُن کے دل میں اطمینان کی لہر دوڑ گئی تھی۔ شک کی جگہ یقین و ایمان نے لے لی تھی،

ہاں ایسا کامل ایمان جو مرتے دم تک اُن کے کردار کا نمایاں جزو بنا رہا۔ وہ یہ جان کر کتنے خوش ہوئے کہ "مَیں تاریکی کی طاقتوں کے رحم و کرم پر نہیں۔ میری زندگی کا ایک مقصد اور الٰہی منصوبہ ہے۔ اگر مجھے اپنے متعلق اللہ کی رضا کا پوری طرح علم نہ بھی ہو تو بھی کوئی نقصان نہیں۔ میرے لئے یہی جاننا کافی ہے کہ اللہ کا قوی ہاتھ میری راہنمائی کر رہا ہے۔"

جب وہ آخرکار اپنے قدموں پر کھڑے ہوئے تو پَو پھٹ رہی تھی۔ ایک نیا دن طلوع ہو رہا تھا۔ اُنہوں نے مشکیزے میں سے پانی پیا اور تازہ دم ہوئے۔ پھر گدھے پر سوار ہو کر گھر کا رُخ کیا۔ فضا میں کسی قدر خنکی تھی، مگر اُنہیں کسی بات کی پروا نہ تھی۔ اُن کا دل بے پایاں مسرت اور جذبے سے بھرا تھا۔ ساری رات جاگنے کے باوجود وہ اپنے آپ کو تازہ دم اور ہشاش بشاش محسوس کر رہے تھے۔ ہر طرف خاموشی ہی خاموشی تھی۔ اِس خاموشی میں اُن کے گدھے کی ڈھینچوں ڈھینچوں دُور تک صاف سنائی دے رہی تھی۔ اُنہوں نے اُسے تھپکی دی اور خود تھیلے میں سے مٹھی بھر کھجوریں نکال کر کھانے لگے۔

گزشتہ روز کے روحانی تجربے کی ہر ایک بات اُن کی یاد داشت میں محفوظ تھی۔ اُنہیں اللہ کی آواز تک خوب یاد تھی۔ خدا کے کلام کا ایک ایک لفظ اُن کی لوحِ دماغ پر نقش ہو گیا تھا۔ اللہ نے فرمایا تھا، "اپنے وطن، اپنے رشتے داروں اور اپنے باپ کے گھر کو چھوڑ کر اُس ملک میں چلا جا جو مَیں تجھے دکھاؤں گا۔ مَیں تجھ سے ایک بڑی قوم بناؤں گا، تجھے برکت دوں گا اور تیرے نام کو بہت بڑھاؤں گا۔ تُو دوسروں کے لئے برکت کا باعث ہو گا۔ جو تجھے برکت دیں گے اُنہیں مَیں بھی برکت دوں گا۔ جو تجھ پر لعنت کرے گا اُس پر مَیں بھی لعنت کروں گا۔ دنیا کی تمام قومیں تجھ سے برکت پائیں گی۔" اللہ نے اُسے دوسرے ملک میں جانے کا حکم دیا تھا، اور اُس نے جواب میں بڑی سادگی سے یہ کہہ دیا تھا، "ہاں اے خدا۔ مَیں جاؤں گا۔"

اب جب اِس فقرے کا پورا مفہوم اُن کی سمجھ میں آیا تو وہ چونک کر رہ گئے۔ وہ سوچنے لگے کہ کیا مَیں اپنے اِس وعدے کو پورا بھی کر سکوں گا؟ قبیلہ اور برادری انسان کے لئے تحفظ کا ضامن ہوا کرتے ہیں۔ مَیں اُن سے کس طرح الگ ہو سکوں گا؟ پھر اُنہیں اُس ملک کا خیال آیا

جس کو چھوڑ دینے کا حکم اُنہیں ملا تھا۔ یہ وہ خطہ تھا جہاں پشتوں سے اُن کے قبیلے کے افراد بود و باش کرتے آئے تھے۔ بے شک وہ پورے ملک میں اپنے ریوڑوں اور گلّوں کے ساتھ پھرتے رہتے تھے۔ لیکن وہ کبھی اِس علاقے سے زیادہ دُور نہیں جاتے تھے۔ وہ ہمیشہ تہواروں اور میلوں ٹھیلوں کے لئے اُور کے شہر میں ہی واپس آجاتے تھے۔ کوئی بھی اپنے وطن کو چھوڑ دینے پر آمادہ نہ ہوتا تھا۔ البتہ ملک اور معاشرے کے قوانین کو توڑنے والے لوگ کبھی کبھار فرار ہو کر دوسری جگہ چلے جاتے تھے۔ مگر وہ بھی آخر میں ملک میں واپس آ کر سزا بھگتنے کو باہر رہنے پر ترجیح دیتے تھے۔ ہاں ترکِ وطن کا مطالبہ تو واقعی بہت بڑا مطالبہ تھا۔

اچانک ایک ناگوار خیال آیا۔ اُن کی پیشانی پر بَل پڑ گئے۔ کیا میرا خدا بھی دوسرے دیوتاؤں کی طرح ظالم اور خود غرض ہے؟ لیکن اگلے ہی لمحے اُن کے دل کی حرکت احساسِ مسرت سے تیز ہو گئی۔ کیونکہ اُنہیں یاد آیا کہ جس خدا نے اُنہیں وطن اور خاندان کا تحفظ ترک کرنے کو کہا تھا اُسی نے اُن کو یہ حوصلہ افزا خبر بھی سنائی تھی کہ "مَیں تجھ سے ایک بڑی قوم بناؤں گا، تجھے برکت دوں گا اور تیرے نام کو بہت بڑھاؤں گا۔"

یقیناً جو خدا اِس قدر تسلی آمیز کلمے کہہ سکتا ہے وہ ظالم نہیں ہو سکتا۔ اگر اللہ نے مجھ سے مشکل کام کرنے کا مطالبہ کیا ہے تو کیا ہوا۔ اُس نے ساتھ ہی میری راہنمائی اور حفاظت کرنے کا بھی وعدہ کیا ہے۔ یقیناً اللہ کے فرمان میں میرے لئے کوئی بہتری اور مصلحت ہو گی۔ پھر اُنہوں نے دوبارہ اللہ کی تعظیم میں سر جھکا کر بڑے اطمینان سے پُرزور لہجے میں کہا، "ہاں اے خدا! مَیں جاؤں گا۔"

حضرت ابراہیم کو شور و غل اور گہما گہمی والے خیموں میں واپس جانے کی جلدی نہ تھی۔ وہ جگہ بہ جگہ ٹھہرتے، آرام کرتے اور سوچ بچار کرتے ہوئے سفر طے کرتے رہے۔ گاہے گاہے وہ رُک کر دعا کرتے اور اپنی جسمانی طاقت کو بحال رکھنے کے لئے کچھ کھا کر تازہ دم ہو جاتے۔ اِس طرح منزل بہ منزل سفر طے ہوتا رہا۔ غروبِ آفتاب کے وقت اُنہیں دُور سے باوقار مینار والا اُور کا شہر نظر آیا۔ لیکن سین دیوتا اور اُس کا مشہور مندر اُن کے لئے کوئی وُقعت نہ رکھتا تھا۔ اُن کا دل یہ یاد کر کے شکرگزاری سے چھلک اُٹھا کہ مجھے اِن دیوتاؤں کے مقابلے میں کہیں بہتر خدا کا علم ہو چکا ہے۔ "کاش سب لوگ میرے خدا پر ایمان لے

آئیں،" اُنہوں نے خلوص دلی سے تمنا کی۔ اور پھر سوچنے لگے، "ہاں میرا فرض ہے کہ مَیں اللہ کی گواہی دے کر دوسروں کو قائل کروں کہ صرف وہی سچا خدا ہے۔"

اب خیموں کی بستی کی مانوس آوازیں اُن کے کانوں میں پڑنے لگیں۔ کہیں کہیں جلتی ہوئی آگ آرام دہ گھریلو زندگی کی مظہر تھی۔ جب وہ گاؤں میں داخل ہوئے تو اُنہیں احساس ہوا کہ لوگ اُنہیں عجیب عجیب نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔ کیا اُن کی آواز میں کوئی تبدیلی تھی یا اُن کی آنکھوں کی چمک میں کوئی فرق تھا کہ لوگ مُڑ مُڑ کر اُنہیں دیکھ رہے تھے؟ اُن کی بیوی سارہ بھی سلام کرنے کے بعد روٹیاں پکاتے پکاتے یکایک رُک گئیں۔ جو سوال دیر سے اُس کی زبان پر مچل رہے تھے وہ دھرے کے دھرے رہ گئے۔ وہ حیرت سے دیکھتی رہ گئیں۔

خوش قسمتی سے اُن کے ابا جان خیمے سے باہر اکیلے ہی بیٹھے تھے۔ اُنہوں نے ایک دم پہچان لیا کہ پیارے فرزند کی آنکھوں سے بے قراری کی جھلک جاتی رہی ہے۔ اب ایمان کی چمک اورمقصدیت کی

دمک ہے۔ وہ ایک دم بول اُٹھے، "توتم نے اُس کو پا لیا؟" اُن کی آواز میں کسی قدر لرزش تھی۔

"ہاں ابا جان۔ مَیں نے اُس کو پا لیا ہے۔ اب سے میری زندگی اُس کے تابع ہے۔ مَیں اُس کا حکم ماننے کو تیار ہوں۔"

ابراہیم نے اپنا روحانی تجربہ اپنے والد بزرگوار کو سُنایا۔ بزرگ تارح نے جانچ لیا کہ بیٹا حرف بہ حرف سچ کہہ رہا ہے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ بیٹا خیالی پُلاؤ پکانے والا نہیں بلکہ حقیقت پسند آدمی ہے۔ وہ قدرے جھجک کے بعد فکرمندی کے لہجے میں بولے، "اور اُس کا حکم کیا ہے؟"

"مجھے اپنے ملک اور عزیز و اقارب کو خیرباد کہہ کر دوسرے ملک کو جانا ہو گا۔ فی الحال مجھے یہ علم نہیں کہ وہ ملک کون سا ہے، لیکن اللّٰہ جانتا ہے۔"

سارہ جو دوسروں کی نظر سے اوجھل کھڑی سب کچھ سن رہی تھیں دم بخود رہ گئیں۔ اُنہوں نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ وہ اپنے آپ سے کہہ رہی تھیں، "یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ کبھی نہیں ہونا چاہئے۔ کتنی اَن ہونی بات ہے۔ مَیں بھلا اپنی سہیلیوں اور اِس گھر کو کس طرح چھوڑ

سکتی ہوں جیسے مَیں اِتنا پیار کرتی ہوں۔ میرا سُسر بھی کبھی اِس بات پر رضامند نہیں ہو گا۔"

پہلے تو صرف چند بزرگ ہی تارح اور اُن کے بیٹے کے پاس آئے، لیکن جلد ہی یہ خبر سارے ڈیرے میں پھیل گئی کہ تارح کے خیمے میں کوئی خاص بات واقع ہوئی ہے۔ آن کی آن میں ایک جمگھٹا لگ گیا۔ اب وہ سب حیران بیٹھے حضرت ابراہیم کی سرگزشت سننے لگے۔ ابراہیم کا خدا سننے والوں کو کتنا بھلا اور حقیقی معلوم ہوتا تھا۔ لمحے بھر کے لئے وہ اِس شش و پنج میں پڑ گئے کہ کیا ہم بھی اُسے اپنا خدا تسلیم کر لیں؟ لیکن جب بزرگ تارح کے بیٹے ابراہیم نے اللہ کے حکم کو دہرایا جس کی رُو سے اُسے اپنے ملک اور عزیزوں کو الوداع کہنا تھا تو اُن کے رشتے داروں نے اُن کی مخالفت شروع کر دی۔ "تمہارا خدا تو دوسرے دیوتاؤں سے بھی گیا گزرا ہے،" بعض چلّا اُٹھے۔

"کم از کم کوئی دیوتا کسی سے اپنا ملک اور محفوظ گھر بار چھوڑنے کی توقع نہیں کرتا،" ایک اَور نے رائے دی۔

"ابراہیم، تم اُس دن ضرور زیادہ تھک گئے ہو گے۔ تم نے یہ باتیں محض تصور کی ہیں۔ اِس حکم پر ٹھنڈے دل سے غور کرو۔"

"کیا تمہارا اپنا دماغ تم سے یہ نہیں کہتا کہ وطن چھوڑنا اَن ہونا قدم ہے؟" کسی اَور نے اپنی سی کہی۔

"ارے میاں، تم چلے گئے تو تمہارے بزرگ باپ کا کیا بنے گا؟ اور ہاں تمہاری بیوی بھی تو ہے۔ تمہیں اُس کا کوئی خیال نہیں؟"

غرض جتنے منہ اُتنی باتیں۔ لوگ اِسی طرح کی باتیں کہتے سنتے اپنے اپنے خیموں کو چلے گئے، مگر رات کا سکون حرام ہو چکا تھا۔ ہر خیمے میں حضرت ابراہیم اور اُن کے خدا کے بارے میں تبصرے ہو رہے تھے۔ خیر کچھ بھی تھا وہ سب ایک بات پر متفق تھے اور وہ یہ کہ ابراہیم کے ساتھ کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے۔ کیونکہ سالوں بعد زندگی میں وہ پہلی بار خوش اور پُرسکون نظر آ رہے تھے حالانکہ اللّٰہ نے اُنہیں اِس قدر کڑا حکم دیا ہے۔

اُدھر اپنے خیمے میں حضرت ابراہیم اپنے والد سے کہہ رہے تھے، "ابا جان! آپ کی کیا مرضی ہے، کیا آپ میرے بھائی نخور کے ساتھ رہیں گے یا میرے ساتھ؟"

"مَیں تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ ہم حاران کے بیٹے لوط کو بھی ساتھ لے لیں گے۔"

والد کے بے ساختہ جواب سے حضرت ابراہیم دنگ رہ گئے۔ وہ سوچنے لگے کہ "کیا میری بات چیت اِس قدر پُراثر تھی کہ اُس نے میرے والد کو سچے خدا پر ایمان لانے پر مجبور کر دیا ہے؟ یا کیا وہ اپنے بڑے بیٹے کے جذبے سے مغلوب ہو کر یہ فیصلہ کر رہے ہیں؟ کیا وہ اِس علاقے کو آسانی سے چھوڑ سکتے ہیں جہاں اُن کا بیٹا حاران دفن ہے؟" جو بھی ہو وہ شکرگزار تھے، کیونکہ یہ معمولی سی بات نہیں تھی کہ اُن کے والد بزرگوار اِس اہم معاملے میں اُن کے ساتھ شریک ہوں۔

جلد ہی لمبے سفر کے لئے تیاریاں شروع ہو گئیں۔ اِس دوران اُنہیں یہ زبردست احساس ہوا کہ اُن عزیزوں اور رشتے داروں سے ناتا توڑنا آسان نہیں جو وہیں رہ جانے کو تھے۔

ہوتے ہوتے بہار کا موسم آن پہنچا۔ ایک دن ایک بڑا کارواں روانگی کے لئے تیار نظر آیا۔ جانے والوں نے کئی بار مُڑ مُڑ کر شہر اُور کے مانوس نظارے کو دیکھا اور عزیز و اقارب کو الوداع کہتے ہوئے ہاتھ ہلاتے دیکھا جو دُور کھڑے اُنہیں بونوں کی طرح چھوٹے چھوٹے نظر آ رہے تھے۔ کارواں روانہ ہوا تو عجب سماں تھا۔ کہیں بھیڑ بکریوں کے بڑے ریوڑ کے ممیانے کی آواز کے ساتھ ہانکنے والوں کی آوازیں مل رہی تھیں تو کہیں عورتوں کے رونے دھونے کے ساتھ مردوں کی سنجیدہ گھمبیر آواز سنائی دے رہی تھی۔ غرض اِس طرح یہ قافلہ سفر پر روانہ ہوگیا۔

راستے میں شاندار شہر، جگ مگ کرتے محل اور کئی قابلِ دید ذرائعِ آب پاشی جو ریگستان کو نخلستان اور بنجر زمین کو زرخیزی میں تبدیل کر رہے تھے نظر آئے۔ لیکن کارواں آہستہ آہستہ حاران کی طرف بڑھتا رہا۔ دن بھر کے سفر کے بعد رات کو خیمے لگا کر آرام کرنا بہت خوش آئند معلوم ہوتا تھا۔ بعض اوقات رات کی خاموشی میں گیدڑوں کی آوازیں اُنہیں چونکا دیتیں، لیکن جلد ہی خیموں کے محافظ کتے بھونک کر تیزی سے اُن کو جواب دیتے اور بات وہیں ختم ہو جاتی۔ مسافر بے فکری

سے سوتے رہتے، لیکن حضرت ابراہیم بالعموم رات کی خاموشی سے فائدہ اُٹھا کر کچھ وقت اللہ کی عبادت اور اُس کے ساتھ رفاقت میں گزارتے۔ اُن کے نزدیک یہ رفاقت نہایت بیش قیمت اور قابلِ قدر تھی۔ ایسا کرنے سے اُنہیں سفر کو جاری رکھنے کے لئے خاص تقویت حاصل ہوتی تھی۔

یہ لوگ ہر روز تقریباً 20 میل چلتے تھے۔ رفتہ رفتہ اُنہوں نے حاران کی جانب تقریباً 600 میل کا فاصلہ طے کر لیا۔ حاران کا شہر مشہور تجارتی مرکز تھا۔ وہ مشرق سے مغرب جانے والی شاہراہ پر واقع تھا۔ جب یہ لوگ یہاں پہنچے تو حضرت ابراہیم نے دیکھا کہ والد صاحب بہت خوش ہیں۔ اُنہوں نے اپنے بیٹے سے کہا، "یہاں ہم کچھ زیادہ دیر ٹھہریں گے۔ مَیں سفر کرتے کرتے اُکتا گیا ہوں۔"

یہ مشورہ نہیں بلکہ حکم تھا، کیونکہ بہت سی ذمہ داریاں بیٹے کے سپرد کر دینے کے باوجود بزرگ تارح نے سرداری کی باگ ڈور مضبوطی سے اپنے ہاتھ میں تھام رکھی تھی۔ بیٹے نے با دلِ نخواستہ باپ کے حکم کا احترام کیا۔ وہ دل ہی دل میں آہ بھر کر خاموش ہو رہے۔ مسافروں نے

یہیں ڈیرے ڈال دیئے۔ دن گزرتے گئے اور بزرگ تارح نے کبھی سفر کو دوبارہ شروع کرنے کا ذکر تک نہ کیا۔ حتیٰ کہ کئی سال گزر گئے۔ حضرت ابراہیم کے والد کمزور اور ضعیف ہو گئے۔ اب وہ سفر کرنے پر بالکل آمادہ نہ تھے۔ اُن ہی دنوں میں اُن کا بیٹا نحور حاران میں اُن سے آ ملا۔ اب یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں تھی کہ وہ ہمیشہ کے لئے وہاں آباد ہو گئے ہیں۔

حضرت ابراہیم عجیب تذبذب میں تھے۔ ایک طرف تو بزرگ والد کا احترام کرنا لازم تھا۔ لیکن دوسری طرف اللہ نے فرمایا تھا کہ وہ حاران نہیں بلکہ اُس سے آگے بڑھیں۔ ناچار اُنہوں نے اپنے والد کی خواہشات کے سامنے سرِتسلیم خم کر دیا تھا جس کے لئے اُنہیں ایک بھاری قیمت ادا کرنی پڑی۔ خدا کے ساتھ اُن کی رفاقت پہلے کی طرح مضبوط نہ رہی، یہاں تک کہ آئندہ پندرہ سالوں میں اللہ اُن سے ہم کلام نہ ہوا اور نہ رویا ہی میں اُن کو دکھائی دیا۔ آخر حضرت ابراہیم کو احساس ہوا کہ خدا کے حکم کی خلاف ورزی اُن کی زندگی میں گویا روحانی کال کا باعث بنی تھی۔ یہ صورتِ حال کب تک برداشت کی جا سکتی تھی؟

حاران کے پُررونق شہر کے باہر حضرت ابراہیم نے خیموں کی بستی آباد کر رکھی تھی۔ اب جبکہ نحور بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ اُن سے آملا تھا تو اِس گاؤں کی وسعت اور پھیلاؤ میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ اِسی گاؤں کے ایک خیمے میں حضرت ابراہیم آرام فرما رہے تھے کہ اُن کی بیوی سارہ نے اُنہیں گرم دودھ کا پیالہ پیش کیا۔ جب وہ رغبت سے دودھ نوش کرنے لگے تو سارہ کو خیال آیا کہ کیا میرے میاں بھی اُسی قدر خوش اور مطمئن ہیں جس قدر مَیں؟ دراصل نحور کے آنے سے سارہ کی طبیعت بہت بہل گئی تھی۔ نحور کے بچوں کی صحبت اور اُن کی معصوم

باتوں میں وہ اکثر اپنے بے اولاد ہونے کے غم کو بھول جاتیں۔ اب اُنھوں نے دیکھا کہ اُن کے خاوند خیموں کی بستی کے مانوس نظارے پر نظر دوڑا رہے ہیں تو اُن کی اپنی نگاہ بھی اُن کی نظر کا تعاقب کرنے لگی۔ چند ہشاش بشاش میمنے ایک طرف اُچھل کود رہے تھے۔ کہیں کہیں کوئی گدھا بندھا ہوا نظر آتا تھا تو کہیں اپنی ہر بات منوا لینے والے بچے کھیل رہے تھے۔

دوسری طرف چند عورتیں سروں پر لکڑیوں کے گٹھے اُٹھائے چلی آ رہی تھیں۔ اِن محنتی عورتوں کی کمریں کتنی سیدھی اور مضبوط معلوم ہوتی تھیں۔ حضرت ابراہیم خالی پیالہ بیوی کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے بولے، "یہ علاقہ اچھا ہے" گویا اُنھوں نے بیوی کے خیالات کو بھانپ کر اُن پر رضامندی کی مہر کر دی۔ "یہاں انجیر، انگور، زیتون اور شہد افراط سے ہے اور مویشی اور پالتو جانور بے شمار۔ لیکن پھر بھی ..."

وہ یکایک رُک گئے کیونکہ بیوی پر نگاہ ڈالتے ہی اُنھوں نے اُس کی آنکھوں میں اندیشے کی جھلک دیکھ لی تھی۔ اُن کا دل اپنی خوب صورت بیوی کے لئے نرم ہو گیا جس نے اُن کے ساتھ زندگی کے

اِتنے سال گزارے تھے۔ اُنھوں نے سارہ کی آنکھوں میں یہ اُمید اور التجا صفائی سے پڑھ لی، ”سفر اور خطرے کی زندگی دوبارہ شروع نہ کرو۔ یہاں رہنا اچھا ہے، مَیں یہیں خوش ہوں۔“

تب سارہ جلدی سے بول اُٹھیں، ”حاران جیسا علاقہ آسانی سے نہ ملے گا۔ یہاں پر مختلف زبانیں بولنے والے مختلف نسلوں کے لوگ اکٹھے امن سے رہتے ہیں۔“

حضرت ابراہیم نے ہاں میں سر ہلایا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ اُنہیں اپنی بیوی کے جذبات کو پھر سے مجروح کرنا پڑے گا۔ جلد یا بدیر اُنہیں پھر یہاں پر رہنے والے رشتے داروں کو الوداع کہہ کر سفر اِختیار کرنا ہو گا۔ اِس لئے کہ اب اُن پر خوب واضح ہو چکا تھا کہ اللّٰہ نے اُنہیں اپنے عزیز اور رشتے دار چھوڑنے کے لئے کیوں حکم دیا تھا۔ جب سے نحور اور اُس کا گھرانا حاران آئے تھے وہ اپنے ساتھ بہت سے بتوں کو بھی لیتے آئے تھے۔ وہ توہم پرست بھی تھے۔ اُن کی زندگی توہم پرستی اور بت پرستی سے اِس قدر وابستگی اِختیار کر چکی تھی کہ حضرت ابراہیم کو خدشہ تھا

کہ اُن کے اپنے خاندان میں بھی یہ بُرائی جڑ نہ پکڑ لے۔ وہ ہر ممکن کوشش کرکے ایسی صورتِ حال کو پیدا ہونے سے روکنا چاہتے تھے۔

یہ اللہ کی بڑی نوازش تھی کہ حضرت ابراہیم کے خاندان سے تعلق رکھنے والے بہت سے لوگ واحد اور سچے خدا پر ایمان لے آئے تھے۔ اب اُن کی کوشش تھی کہ باقی افراد کو بھی اِسی راستے پر لے آئیں۔ وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور بولے، "مَیں ابا جان کو دیکھنے جا رہا ہوں۔ اُن کی طبیعت گزشتہ چند دنوں سے ٹھیک نہیں ہے۔"

"وہ اب بہت عمر رسیدہ ہیں، اِس عمر میں آپ کیا توقع کر سکتے ہیں،" سارہ نے افسردہ لہجے میں کہا۔

عین اُس وقت نحور بھاگتا ہوا اُن کے خیمے کی طرف آیا۔ چونکہ نحور عام حالات میں کبھی نہیں دوڑتا تھا اِس لئے حضرت ابراہیم اُسے بھاگتا دیکھ کر بھانپ گئے کہ والد کی طبیعت زیادہ خراب ہے۔ "جلدی آؤ" نحور نے اُنہیں دُور ہی سے اشارہ کیا۔ "والد صاحب کی حالت بہت نازک ہے۔"

وہ دونوں تیزی سے بزرگ تارح کے خیمے کی طرف چل دیئے جو اِتنی مدت تک اُن کا رہبر اور دستگیر رہا تھا۔ اِتنے میں سارے قبیلے کو اطلاع کر دی گئی تھی کہ بزرگ تارح قریب الموت ہیں۔ ہر سمت سے لوگ خیمے کے آس پاس اکٹھے ہو رہے تھے۔ وہ نہایت ادب سے خاموش کھڑے تھے۔ خاموش، مودب اور منتظر!

نحور اور اُس کی بیوی مِلکاہ اور دیگر قریبی رشتے دار تارح کے بستر کے قریب کھڑے تھے۔ وہ بالکل ساکت لیٹے تھے۔ حضرت ابراہیم اور اُن کی بیوی جب پہنچے تو سمجھے کہ بہت دیر سے پہنچے ہیں۔ عورتوں نے رونا اور بَین کرنا شروع کیا تو اچانک بزرگ تارح نے آنکھیں کھول دیں اور اپنی نگاہیں حضرت ابراہیم کے چہرے پر گاڑ دیں۔ وہ کچھ کہنا چاہتے تھے مگر قوتِ گویائی جواب دے چکی تھی۔ حضرت ابراہیم کو اپنے والد کی نگاہوں میں افسوس کا تاثر نظر آیا گویا وہ اُن سے خاص طور پر معذرت خواہ ہوں۔ ابراہیم سوچ رہے تھے کہ کیا میرے والد کو معلوم ہو گیا ہے کہ وہ میرے بڑے مشن کی راہ میں حائل رہے ہیں! پھر بزرگ تارح کی روح بدن سے پرواز کر گئی اور یہ مسئلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے صیغۂ راز میں رہ گیا۔

والد کی وفات دوسروں کی طرح حضرت ابراہیم کے لئے بھی دِلی صدمے کا باعث بنی۔ وہ دیر تک اُن کی کمی محسوس کرتے رہے۔ لیکن وہ دوسروں کے بے بس رونے اور بَین کرنے میں شریک نہ ہوئے۔ کیونکہ اُنہیں اِس اُمید سے تسلی تھی کہ موت کے بعد بھی زندگی ہے۔ جو خدا جیتے جی والد کی راہنمائی کرتا رہا تھا وہ موت کے بعد اُسے اِس سے زیادہ خوب صورت جگہ عطا کرے گا۔

لیکن ماتم کے ایام میں نحور اور دیگر رشتے داروں کی سوچیں اِتنی پُراُمید نہ تھیں۔ تجہیز و تکفین کی آخری رسوم کی ادائیگی کے دوران اُن کا رونا دھونا اِتنا درد ناک تھا کہ حضرت ابراہیم کو شک گزرنے لگا کہ آیا یہ لوگ ایسے خدا پر اعتقاد رکھتے بھی ہیں یا نہیں جو زندوں اور مُردوں دونوں پر اِختیار رکھتا ہے۔

والد کی وفات کے غم کے ساتھ اُن پر اپنے پورے کنبے کی ذمہ داریوں کا بوجھ آ پڑا تھا۔ اب وہ قبیلے کے سردار تھے۔ لیکن والد سے جدائی کے صدمے اور قبیلے کی نئی ذمہ داریوں کے علاوہ ایک اَور بات اُنہیں چبھونے لگی، اور وہ یہ کہ زندگی چند روزہ ہے۔ میرے بھائی

حاران کو تو قدرت نے اِتنی مہلت بھی عطا نہیں کی تھی جتنی کہ مجھے ملی ہے۔ کیا معلوم میری اپنی زندگی کا دیا کب بجھ جائے۔ میرا چلن کیسا رہا ہے؟ کیا مَیں اللہ کے حضور فرماں برداری سے چلتا رہا ہوں؟ ہرگز نہیں، بلکہ مَیں اپنے والد کے جذبات کا خدا کے احکام سے زیادہ احترام کرتا رہا ہوں۔ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نے میرے اور اللہ کے درمیان جدائی کی خلیج حائل کر دی ہے۔ میرے دل میں اب اللہ کی محبت کا پہلے جیسا جوش و جذبہ نہیں رہا۔ اُنہیں اِس بات کا دلی افسوس ہوا، اور اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ آئندہ مَیں دو دلی زندگی بسر نہیں کروں گا۔ آئندہ مَیں اللہ کو اوّلیت دوں گا اور تن، من، دھن سے اُس کی خدمت کروں گا۔ میری تمام تر دل چسپی، مرضی اور محبت سب اللہ کی اعلیٰ رضا کے ماتحت اور تابع ہو گی۔

زندگی کے اِس موڑ پر حضرت ابراہیم کا دل ایک بار پھر سچے خدا کی رفاقت کے لئے تڑپنے لگا۔ وہ خدا کی آواز سننے کے لئے بے تاب ہوئے۔ اب وہ اللہ سے نئے طور پر آگاہی حاصل کرنا چاہتے تھے۔ وہ ازسرِنو یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ کیا اللہ واقعی چاہتا ہے کہ مَیں اِس سفر

کو جاری رکھوں؟ کیا خدا اپنے اِس کمزور بندے کو اپنے جلال کے لئے استعمال کرسکتا ہے؟

ایک مرتبہ پھر حضرت ابراہیم حاران کے میدان میں اللہ کی جستجو میں سرگرداں ہو گئے۔ اِس مرتبہ پھر اُنہیں احساس ہوا کہ میری آہ و زاری، دوڑ دھوپ یا عبادت زندہ خدا کو اِس بات پر مجبور نہیں کرسکتی کہ وہ اپنے آپ کو مجھ پر ظاہر کر دے۔ مجھے صبر سے اُس گھڑی کا انتظار کرنا ہو گا جب خدائے کریم اپنے رحم و کرم سے اپنی ذات اور اپنی رضا کو مجھ پر آشکارا کرے گا۔

اب بھی اللہ اُن پر اُس وقت ظاہر ہوا جب وہ اِس کی توقع نہیں کر رہے تھے۔ اُس نے اُن سے ہم کلام ہو کر فرمایا، "اپنے وطن، اپنے رشتے داروں اور اپنے باپ کے گھر کو چھوڑ کر اُس ملک میں چلا جا جو مَیں تجھے دکھاؤں گا۔ مَیں تجھ سے ایک بڑی قوم بناؤں گا، تجھے برکت دوں گا اور تیرے نام کو بہت بڑھاؤں گا۔ تُو دوسروں کے لئے برکت کا باعث ہو گا۔ جو تجھے برکت دیں گے اُنہیں مَیں بھی برکت دوں گا۔ جو تجھ پر لعنت

کرے گا اُس پر مَیں بھی لعنت کروں گا۔ دنیا کی تمام قومیں تجھ سے برکت پائیں گی۔“

حضرت ابراہیم نے جوش و جذبے سے کانپتے ہوئے حق تعالیٰ کی آواز سنی اور اُس کے کلام کا ایک ایک لفظ ذہن نشین کیا۔ اب صاف ظاہر تھا کہ خدائے رحیم نے مجھے معاف کر دیا ہے، وہ کریم دوبارہ مجھ سے ہم کلام ہوا ہے۔ اِس احساس نے اُن کے دل کو بے بیان شادمانی سے بھر دیا۔ یوں لگ رہا تھا کہ وہ گویا پندرہ سال کی طویل مدت تک علیل رہنے کے بعد آج یکایک تندرست ہو گئے ہوں۔ مسرت سے اُن کا پاؤں زمین پر نہ ٹکتا تھا۔ ہلکے پھلکے قدموں سے گھر جاتے ہوئے وہ دل ہی دل میں حاران سے روانگی کے منصوبے بنانے لگے۔ کوچ کے لئے آنے والے بہار کا موسم عین مناسب تھا۔

گاؤں میں داخل ہوتے وقت حضرت ابراہیم کو بھائی نحور ملا جو کھیتوں سے واپس آ رہا تھا۔

”خدا کی سلامتی تم پر ہو“ نحور نے بڑے بھائی کو سلام کرتے ہوئے کہا۔

"خدا کی سلامتی تم پر بھی ہو" حضرت ابراہیم نے شگفتہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

وہ سوچنے لگے نحور اور اُس کے گھرانے نے خاصی حد تک واحد خدا کو تسلیم کر لیا ہے۔ کاش وہ اپنے بتوں کو بھی خیر باد کہہ سکیں۔ اُمید ہے نحور موسمِ بہار میں ہمارے ساتھ چلنے کے متعلق سوچے گا۔ اِن ہی سوچوں میں غرق وہ نحور کے ساتھ ساتھ اُس کے خیمے کی طرف چل دیئے تاکہ اُس سے بات کریں۔ لیکن اُن کا ارادہ پکا تھا کہ مَیں مشورہ لینے نہیں بلکہ محض اُسے اپنے فیصلوں سے آگاہ کروں گا۔

خیمے میں پہنچے تو مِلکاہ نے سلام دعا کے بعد مردوں کی خدمت میں دودھ کے گلاس پیش کیئے۔ جب دونوں بھائی دودھ پی رہے تھے تو مِلکاہ کچھ فاصلے پر بیٹھی شام کے کھانے کے لئے سبزیاں کاٹتے ہوئے بولی، "یہ علاقہ بہت زرخیز ہے۔ مَیں خوش ہوں کہ ہم اِس جگہ آئے۔ ارام کے میدان ہم خانہ بدوش لوگوں کے لئے نہایت موزوں ہیں۔"

نحور نے ہاں میں سر ہلا کر کہا، "یہاں پر آزادی اور وسعت کا خاص احساس ہوتا ہے۔"

”ہو نہ ہو، لیکن مَیں آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ بہار کا موسم آتے ہی مَیں حاران سے روانہ ہو جاؤں گا۔“ حضرت ابراہیم کی اِس اطلاع پر دونوں میاں بیوی بھوکچکے سے رہ گئے۔

نحور نے کہا، ”نہیں نہیں۔ والد صاحب کی وفات کے بعد ہم بھائیوں کا اکٹھے رہنا اَور بھی زیادہ لازمی ہو گیا ہے۔ یکجا رہنے میں ہم دونوں کی بھلائی ہے۔ اِس طرح ہم بیرونی خطروں کے خلاف مضبوط رہیں گے، اور کوئی ہماری خفگی مول لینے کی جرأت نہیں کرے گا۔“

مِلکاہ بولی، ”ہم اگلے دن آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ ساری عمر خانہ بدوش رہنے کی کیا ضرورت ہے۔ کیوں نہ کہیں ٹک کر زندگی کے چار دن آرام سے گزاریں؟ اور اِس جگہ سے بہتر اَور کون سی ہو سکتی ہے! ہماری خواہش ہے کہ ہم حاران کے دیگر باشندوں کی طرح یہاں اپنا مکان تعمیر کریں اور شہریوں کی طرح زندگی بسر کریں۔“

لیکن حضرت ابراہیم نے سر ہلا کر کہا، ”مجھے زندہ خدا کی طرف سے آگے بڑھنے کا حکم ملا ہے۔“ اُن کے لب و لہجے میں افسوس کے تاثر کے بجائے مسرت کا عنصر تھا۔ اُنہوں نے اپنی بات جاری رکھی، ”مَیں

اپنی ساری زندگی خیمے ہی میں بسر کروں گا۔ ہاں اُس وقت بھی جب مَیں اُس ملک میں پہنچ جاؤں گا جہاں اللہ مجھے لے جا رہا ہے۔“

پھر بھائی اور بھابی کی آنکھوں میں حیرت کے آثار دیکھ کر اُنہوں نے وضاحت کی اور بولے، ”اِس لئے کہ مَیں جانتا ہوں کہ میرا اصلی گھر ستاروں کے اُس پار ہے۔ اور میری خانہ بدوش زندگی اور ناپائیدار خیمے مجھے یاد دلاتے رہیں گے کہ زندگی کتنی عارضی ہے۔ نیز یہ کہ ہم اِس دُنیا میں مہمان اور پردیسی ہیں۔ میرے بھائی، پکی بنیادوں والا شہر دراصل اگلے جہان میں ہے، یہاں کہیں نہیں۔ مَیں ایک دن اُسی جنت میں جانے کا منتظر ہوں۔ اصل میں اِس دُنیا کے فصیل دار شہر کمزور اور ناپائیدار ہیں۔ یہ حقیقی تحفظ نہیں دے سکتے۔“

مِلکاہ نے سر ہلا کر کہا، ”آپ جانتے ہیں کہ ہم بھی سچے خدا پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ جو کچھ آپ نے کہا ہے اُس سے ہم اتفاق کرتے ہیں۔ لیکن اِس قدر اِنتہا پسند ہونے کی بھی کیا ضرورت ہے! اللہ یقیناً اِس سے خوش ہو گا کہ آپ اُس کے حکم کے مطابق اُور کے شہر سے نکل آئے

ہیں۔ آپ یہاں بھی اللہ کی خدمت کر سکتے ہیں۔ سفر کے خطروں کا خیال کیجئے اور سارہ بے چاری کا بھی۔"

نحور نے دیکھا کہ سارہ کے نام سے حضرت ابراہیم کے چہرے پر فکر کی پرچھائیاں چھا گئی تھیں۔ وہ بولا، "آپ فی الحال یہ بھی نہیں جانتے کہ منزل بالآخر کون سی ہو گی۔ تاہم آپ کنعان کی جانب جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لیکن مَیں آپ کو بتاؤں کہ اِس راستے میں بہت سے خطرے ہیں۔ یہ وہ راستہ ہے جس کے ساتھ ساتھ وحشی لوگ بود و باش کرتے ہیں اور اُن کے متعلق ہم نے متعدد داستانیں سنی ہیں۔ اگر اُس ملک کے بادشاہ نے سارہ بھابی کی ایک جھلک دیکھ لی تو آپ کا سر سلامت نہیں۔ وہ اُس کو حاصل کرنے کے لئے کوئی کسر اُٹھا نہ رکھیں گے اور آپ کا کام تمام کرنے سے بھی دریغ نہ کریں گے۔"

حضرت ابراہیم خود اِس خطرے سے بے خبر نہ تھے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ سارہ کے لئے اِس جگہ اور یہاں کے عزیزوں سے ناتا توڑنا کس قدر تکلیف دہ ہو گا۔ تاہم اُنھوں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا، "اللہ ہماری مدد کرے گا۔ وہ جو ہمیں کوچ کرنے کا حکم دینے والا ہے، وہی

ہمیں سب خطروں سے بچائے گا۔ مجھے معلوم ہے کہ اللہ کے حکم کی پیروی کرنے میں کئی لوگوں سے جدائی اور کئی چیزوں سے علیٰحدگی اِختیار کرنی ہو گی۔ اِس کے باوجود مَیں اپنے خدا کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا، نہ کرنا چاہتا ہوں۔ میری سب سے بڑی اور اوّلین تمنا یہی ہے کہ اپنی زندگی اِس طرح گزاروں کہ کوئی شخص یا چیز زندہ خدا کے ساتھ میرے رشتے اور رابطے میں رخنہ انداز نہ ہو۔ پندرہ سال کی اِس طویل مدت میں مَیں اِس رابطے میں کئی طرح کی کمزوری اور کوتاہی کو شدت سے محسوس کرتا رہا ہوں۔“

نحور اور اُس کی بیوی حضرت ابراہیم کو حیرانی سے دیکھنے لگے۔ اُنہیں تو اِس بات کا مطلق احساس نہ ہوا تھا کہ اللہ کے ساتھ حضرت ابراہیم کے رشتے اور رابطے میں کوئی شے حائل ہے۔ دراصل حضرت ابراہیم اُن سالوں میں بھی اپنے گھر والوں، نوکر چاکروں اور غلاموں کو سچے خدا کے متعلق تعلیم دیتے رہے تھے، اور بہت سے لوگ اُن کے واحد خدا پر ایمان بھی لے آئے تھے۔

آخر نحور نے فیصلہ کن لہجے میں کہا، ”میرا خیال ہے کہ فی الحال اِس معاملے پر مزید گفتگو کرنا مناسب نہیں۔ شاید کل آپ ٹھنڈے دل سے اِس پر غور کر سکیں۔ کیونکہ اِس میں شک نہیں کہ اِس فیصلے کے نتیجے دُور رس ہوں گے۔“

حضرت ابراہیم اُداس ہوئے۔ اپنے رشتے داروں کے پاس رہتے ہوئے بھی وہ اپنے آپ کو اُن سے کوسوں دُور پا رہے تھے۔ دراصل اُن کے عزیز و اقارب کی زندگی کا مقصد دُنیاوی مال و اسباب اکٹھا کرنا اور اِس دُنیا میں آرام سے زندگی بسر کرنا تھا جبکہ اُن کی اپنی زندگی کا مقصد زندہ خدا کے احکام پر چلنا اور اُسی کی تبلیغ کرنا تھا۔ ہاں اُن میں اور حضرت ابراہیم میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ نحور بتوں کے علاوہ اللہ کی بھی پرستش کرتا تھا جبکہ حضرت ابراہیم نے اپنے سارے گھرانے میں سے بتوں کو نکال باہر کیا تھا۔ بتوں کے لئے اُن کے گھر اور دل میں قطعی کوئی جگہ نہ تھی۔ فقط قادرِ مطلق خدا اُن کی زندگی میں افضل اور اعلیٰ تھا۔

جب حضرت ابراہیم اُٹھ کر اپنے خیمے میں گئے تو آنے والی بڑی ذمہ داریوں کے متعلق سوچنے لگے — مویشیوں اور بھیڑ بکریوں کی نگرانی اور لاتعداد لونڈے لونڈیوں کی دیکھ بھال۔ وہ سب اُن کے خاندان کے افراد ہی بن گئے تھے۔ سفر کے دوران سب کی حفاظت کا بوجھ ابراہیم کے کندھوں پر پڑے گا۔ لیکن پھر اُنہیں اللہ کا خیال آیا جس نے قدم قدم پر اُن کی مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ تب اُنہوں نے اطمینان کا سانس لے کر اپنی ساری فکریں اُس کے قوی ہاتھ کے سپرد کیں۔

آخرکار روانگی کا وقت آ پہنچا۔ حضرت ابراہیم اور اُن کے ساتھ جانے والے اپنے عزیز و اقارب سے آخری بار گلے لگے اور کارواں روانہ ہو گیا۔ کارواں انوکھا سماں پیش کر رہا تھا۔ کوئی ایک ہزار نفوس کے درمیان بہت سی بھیڑ بکریاں جو چھوٹے چھوٹے ریوڑوں میں منقسم کر دی گئی تھیں چلی جا رہی تھیں۔ بَیلوں کو بھی چھوٹے گروہوں میں بانٹ دیا گیا تھا تاکہ اُن کو قابو میں رکھنا آسان ہو۔ کالی بکریوں کی پشم سے تیار کیئے گئے خیموں کو گدھوں پر لادا گیا تھا اور گھریلو ضرورت کی

دیگر اشیا بھی اُن ہی سخت کوش جانوروں پر لادی گئی تھیں جو قافلے کے عقب میں کہیں کہیں چلتے نظر آ رہے تھے۔

حضرت ابراہیم چند بزرگوں کے ہمراہ کارواں کے آگے آگے جا رہے تھے جبکہ اُن کی بیوی سارہ اور بعض دیگر خاص خواتین کو اجازت تھی کہ جب چاہیں گدھوں پر سوار ہو جائیں۔ چند لونڈیاں سارہ کے پیچھے اپنے سروں پر سرکنڈوں سے بنی ہوئی ٹوکریوں میں کھانے کی چیزیں اُٹھائے چلی جا رہی تھیں۔ بعض دیگر ملازمین مزید اشیائے خوردنی اور پانی کے مٹکے اُٹھائے ہوئے جا رہے تھے جنہیں دو دو آدمیوں نے کندھے پر رکھے بانس کے دونوں طرف اُٹھانے کا خاص بندوبست کیا تھا۔

حاران سے روانگی کا وقت سب کے لئے بڑا تکلیف دہ تھا۔ خود حضرت ابراہیم اِتنے بڑے ہجوم کے باوجود اپنے آپ کو بالکل تنہا اور الگ تھلگ محسوس کر رہے تھے۔ اُنہیں صاف معلوم تھا کہ کسی کو اُن کے منصوبوں سے کوئی ہمدردی نہیں۔ کوئی اُن کا ہم خیال نہیں۔ اُن کے قریبی رشتے دار بھی سفر اِختیار کرنے کے متعلق اُن کی رائے سے

اتفاق نہیں کرتے تھے۔ وہ اُن کا ساتھ اِس لئے دے رہے تھے کہ اپنے سردار کا حکم ماننا اُن پر فرض تھا۔ سارہ کے چہرے پر انتہائی غم و تاسف اور اُن کی آنکھوں میں آنسو نظر آ رہے تھے۔ اُن کا دریا کے اُس پار کھڑے عزیزوں کو مڑ مڑ کر بار بار دیکھنا اِس بات کا شاہد تھا کہ یہ قدم اُن کے لئے کتنا مشکل تھا۔

اب وہ اپنے بھتیجے لوط کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے سوچنے لگے کہ یہ جوان میرے ہمراہ کس مقصد سے چلا آ رہا ہے؟ کیا مہم جوئی کے جذبے نے اُسے یہ قدم اُٹھانے پر مغلوب کر دیا ہے؟ یا کیا وہ اپنے تایا کو اپنا ہیرو بنا بیٹھا ہے جو اِس عمر کی خاص خصوصیت ہوا کرتی ہے؟ کیا وہ واقعی سچے دل سے اللہ کی پرستش کی خواہش سے گھر بار چھوڑنے پر رضامند ہو گیا ہے؟ لوط کی خود غرضی کی عادت کو یاد کر کے حضرت ابراہیم نے ٹھنڈی سانس لی۔ کاش کہ لوط کے مزاج میں چند کمزوریاں نہ ہوں۔ تب وہ سفر میں اچھا ساتھی ثابت ہو سکتا ہے، کیونکہ اُس کی بات چیت سے میری طبیعت بہل جایا کرتی ہے۔

اب وہ دمشق کو جانے والی شاہراہ پر چلے جا رہے تھے۔ اُمید تھی کہ اِس راہ میں ضروریاتِ زندگی آسانی سے دستیاب ہوسکیں گی۔ پھر چونکہ یہ راستہ ریگستان سے ہٹ کر نکلتا تھا اِس لئے ریگستان کے خطرات سے بچے رہیں گے۔ سوداگر اور فوجیں متواتر اِسی راستے سے نقل و حرکت کرتی تھیں۔ حضرت ابراہیم کا خیال تھا کہ دمشق کے شمال میں واقع نخلستان میں ڈیرے ڈال دیں۔

وہ کئی دن تک چٹیّل میدان میں سفر کرتے گئے جس پر کہیں کہیں تھوڑی سی گھاس تھی۔ مویشی اور بھیڑ بکریاں جو حاران کی لمبی سرسبز گھاس کے عادی تھے، اب چھوٹی چھوٹی سوکھی گھاس اور جھاڑ جھنکار پر گزارہ کر رہے تھے۔ آہستہ آہستہ وہ اُس ملک کی طرف بڑھتے جا رہے تھے جس کو اللہ نے اُنہیں میراث میں دینے کا وعدہ کیا تھا۔ ایک جگہ ڈیرے ڈالنا اور پھر تھوڑی دیر بعد کوچ کے وقت بوریا بستر لپیٹنا اُن کا معمول بن چکا تھا۔

حضرت ابراہیم کو اِس دوران ہر روز یہی احساس رہتا تھا کہ اللہ میرے ساتھ ہے۔ کوچ کرتے وقت بھی اُنہیں یہ یقین رہتا تھا کہ خدا

میری رہبری کر رہا ہے۔ پاک خدا کی قربت اور حضوری کی وجہ سے اُن کی سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ وہ اپنے چلن سے اللہ کی خوشی کا باعث بنیں۔ سفر میں وہ رفتہ رفتہ اللہ کی مرضی کے متعلق زیادہ حساس بنتے جا رہے تھے۔ ہوتے ہوتے وہ ایسی باتوں کو بھی گناہ سمجھنے لگے جن کی پہلے وہ کبھی پروا بھی نہیں کرتے تھے۔ قبیلے کے سردار ہونے کی حیثیت سے اُن کی بے شمار ذمہ داریاں تھیں۔ ہر روز کئی جھگڑے نپٹانے پڑتے اور کئی معاملات طے کرنے ہوتے تھے۔ اب جب کبھی وہ یہ محسوس کرتے کہ اُنہوں نے کوئی فیصلہ یا معاملہ محض اپنی مرضی سے طے کر دیا ہے تو اُنہیں سخت رنج اور صدمہ ہوتا تھا۔

لیکن سارہ کا کیا حال تھا ؟ کیا اُن کا ایمان خاوند کی طرح پکا تھا ؟ بے شک وہ اللہ پر ایمان رکھتی تھیں، لیکن اُن کا ایمان اب تک بہت محدود اور کم تھا۔ اُن کا ایمان تھا کہ ایک خدا نے سب چیزوں کو پیدا کیا ہے، اور وہی اللہ راہنمائی کرتا اور پرستش کے لائق ہے۔ تاہم وہ سوچتی رہتی کہ یہ کیسا خدا ہے جو ہم سے اِس قدر ایثار اور خود انکاری کی توقع کرتا ہے، جو اپنا وطنِ عزیز، آرام دہ گھر، ماں باپ، بہن بھائی اور رشتے دار

ترک کرنے کا مطالبہ کرتا ہے؟ کیا واقعی وہ دلوں کا جاننے والا مہربان خدا ہے؟ غرض سفر کے دوران سارہ کے دل میں عجیب طوفان برپا رہتا تھا۔

صرف شوہر سے وفاداری نے اُنہیں ہمت نہ ہارنے دی تھی۔ اُن ہی سے محبت کے باعث سارہ اُن کے رب کو خوش کرنا چاہتی تھیں۔ تاہم اب تک اُن کا ایمان محض اپنے خاوند کے ایمان کا عکس ہی تھا۔ خیر یہ زیادہ حیرت کی بات نہ تھی، کیونکہ سچ تو یہ ہے کہ آخر اللہ نے اپنے آپ کو حضرت ابراہیم پر ظاہر کیا تھا نہ کہ سارہ پر۔ اُن کی زندگی میں ابھی تک کوئی غیرمعمولی روحانی تجربہ رُونما نہ ہوا تھا۔ اُن کے لئے تو یہی بڑی بات تھی کہ وہ دلیرانہ اپنے خاوند کے ساتھ قدم ملا کر چلنے کی کوشش کرتی رہیں۔ گو اُن کے سینے میں بارہا شکوک سر اُٹھاتے رہے اور وہ خیمے کی تنہائی میں بارہا آنسو بہاتی رہیں تو بھی وہ اپنے خاوند کے ساتھ ملکِ موعود کی طرف رواں دواں رہیں۔

چلتے چلتے وہ کنعان کے ایک مقام بنام سِکم کے نزدیک آئے۔ مسافروں نے جلد ہی جان لیا کہ یہ علاقہ رہائش کے لئے خوب ہے۔

وہ وہاں کے پہاڑ، وادی، ندی نالے اور چشموں کے نظاروں سے محظوظ ہونے لگے۔ ساتھ ساتھ انسان اور حیوان کے لئے کثرت کی خوراک دست یاب تھی: کنعان میں گندم، جَو، انگور، انجیر، انار، زیتون کے پیڑ اور شہد خوب ملتا تھا۔

مسافروں نے سِکم کے نزدیک بلوط کے پیڑوں کے سائے میں اپنا پہلا ڈیرا ڈالا۔ جگہ کا نام مورِہ تھا۔ خیمے جلدی سے گاڑ دیئے گئے۔ اِدھر اُدھر کام کاج کرتے ہوئے سب لوگوں کے ذہن پر ایک ہی خیال سوار تھا: یہ کہ کاش ہم یہاں زیادہ دیر ٹھہر سکیں۔ سِکم کا علاقہ دو پہاڑوں کے درمیان محفوظ وادی میں پھیلا ہوا تھا۔ بے شمار چشموں سے گُنگُناتے ندی نالے نکل کر مقابل کی ڈھلان سے وادی میں نیچے اُتر رہے تھے۔ اردگرد کے کسی قدر چٹیَل پہاڑوں کے مقابلے میں وادی کی سرسبز چراگاہیں اور انگورستانوں کی ہریالی بڑی دل کش نظر آ رہی تھی۔ حضرت سارہ بھی اِس جگہ کی خوب صورتی سے بے حد متاثر ہوئیں۔

جب شام ہوئی تو خیموں کے درمیان جا بجا آگ روشن ہوگئی اور خیموں میں مرد و زن علاقے کے متعلق اپنی رائے دینے لگے۔

سب کہہ رہے تھے کہ یہ علاقہ تو پہلے خطے سے بہتر ہے۔ صرف حضرت ابراہیم معمول سے بھی زیادہ خاموش نظر آ رہے تھے۔ دراصل کنعان آتے ہوئے وہ راستے میں آنے جانے والوں سے کنعان کے باشندوں کے متعلق معلومات حاصل کرتے رہے تھے۔ اُنہیں معلوم ہوا کہ یہاں کے باشندے اور اُن کا مذہب اُور کے لوگوں سے بہتر نہ تھا۔ بلکہ شاید اُن سے بدتر۔ یہاں پر تو بعض اوقات لوگ اپنے دیوتا بعل کو خوش کرنے کے لئے بچوں کی قربانی کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ اب وہ سنجیدگی سے یہ سوچ رہے تھے کہ کیا مَیں نے یہاں آنے میں غلطی تو نہیں کی؟ اُن کے دل و دماغ پر مایوسی کے بادل چھا گئے۔ وہ پریشانی و فکرمندی کے عالم میں ہی بستر پر دراز ہو گئے۔

کچھ دیر تو وہ بے قرار کروٹیں بدلتے رہے، مگر تھوڑی دیر بعد جو اُن کی آنکھ کھلی تو اُن کا دماغ ساری فکروں سے صاف اور دل پُرسکون اور پُراطمینان تھا۔ اُنہوں نے دل ہی دل میں سوچا، "کیا گہری نیند سونے سے میری فکریں دُور ہو گئی ہیں؟" پھر یکایک اُنہیں یاد آ گیا کہ عالمِ غنودگی میں مَیں نے اللہ کی آواز سنی۔ ہاں خدا ایک مرتبہ پھر حضرت

ابراہیم پر آشکارا ہوا تھا تاکہ اُنہیں یقین دلائے کہ وہ صحیح راستے پر ہیں۔ اِسی سِکم کے مقام پر اللہ نے پہلی مرتبہ اُن پر اِس اہم حقیقت کو ظاہر کیا کہ یہی وہ ملک ہے جس کا وعدہ مَیں کر چکا ہوں۔ حضرت ابراہیم کی یاد داشت سے سارے دُھندلکے دُور ہو گئے۔ اُن کے دماغ کی لوح پر اللہ کا ایک ایک لفظ یوں اُبھر آیا گویا اُنہیں زبانی یاد ہو۔ رب نے فرمایا تھا، "مَیں تیری اولاد کو یہ ملک دوں گا۔" اِس سے اُن کا دل پھر سے مسرت اور اللہ کے لئے جذبۂ تشکر سے لبریز ہو گیا۔

ایک مرتبہ پھر حضرت ابراہیم نے اللہ کی بات کا یقین کیا۔ اب تک وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ کیونکر ہو گا۔ آخر وہ علاقہ پہلے ہی سے آباد تھا۔ پھر وہ ابھی تک بے اولاد تھے۔ اُن کا ایک بھی بیٹا نہ تھا۔ لیکن اِس کے باوجود اُنہوں نے خدا کے وعدے کا یقین کیا۔ اپنے دل میں موجزن جذبۂ تشکر کا اظہار کر کے اُنہوں نے وہاں ایک قربان گاہ بنائی اور ایک بے عیب جانور لے کر قربانی گزرانی۔ یہ قربانی رسمی طور پر نہیں بلکہ نہایت خلوص کے ساتھ پیش کی گئی۔ جب جانور قربان گاہ

پر آگ سے بھسم ہو رہا تھا تو اُس نے اپنی زندگی کو نئے سرے سے اللہ کے ہاتھ میں سونپ کر اللہ کے ساتھ اپنے عہد کی تجدید کی۔

اِس کے بعد راستے میں جہاں کہیں حضرت ابراہیم ڈیرے ڈالتے وہاں وہ قربان گاہ تعمیر کرتے۔ ڈیرے کو چھوڑنے کے بعد بھی یہ مذبح یا قربان گاہ کنعان کے باشندوں کو اِس مردِ خدا کی یاد دلاتی رہتی۔ اور ہاں حضرت ابراہیم اللہ کے بارے میں قیمتی معلومات کو اپنے تک محدود نہیں رکھنا چاہتے تھے بلکہ اُن کے دل میں زبردست تحریک ہوتی کہ وہ اپنے گھرانے کے لوگوں اور مقامی باشندوں کے سامنے اللہ کی تبلیغ اور اُس کی رحمتوں کا بیان کریں۔

کئی مرتبہ پورے گھرانے کے افراد مذبح کے گرد جمع ہو جاتے۔ خاندان کے علاوہ اُن کے غلام بھی حاضر ہوتے جو اُور میں یا راستے میں خریدے گئے تھے۔ وہ ملازم بھی شامل ہوتے جو اُن کے گھرانے ہی میں پیدا ہو کر بڑے ہوئے تھے۔ بچے، والدین، جوان، بوڑھے سب ہی وہاں اکٹھے ہوتے اور خاموشی اور احترام سے اپنے آقا اور سردار کو

قربانی گزرانتے اور مناجات کرتے دیکھتے۔ اِس طرح اُن کے دل میں سچے خدا کی پرستش کا جذبہ جڑ پکڑتا اور رفتہ رفتہ پختہ ہوتا گیا۔

اللہ کی طرف سے یقین دہانی کے باوجود کچھ دیر کے بعد حضرت ابراہیم کے چہرے پر فکرمندی پھر نظر آنے لگی۔ اُن کے کانوں میں آس پاس والوں کی زبانی یہ اطلاع پڑ رہی تھی کہ گزشتہ موسمِ سرما میں بارش کم ہوئی تھی۔ ممکن ہے کہ اِس سے پہلی سردی میں بھی بارش کم ہوئی ہو۔ ہاں کھیت اور باغات سے پتہ چلتا تھا کہ زمین کو موسمِ سرما کی بارش کی سخت ضرورت ہے۔ حضرت ابراہیم نے چراگاہوں کو مال مویشی پالنے والے کی نگاہ سے دیکھا۔ اُنھوں نے اندازہ لگایا کہ یہ چراگاہیں زیادہ دیر تک اُن کے لاتعداد جانوروں کو خوراک فراہم نہ کرسکیں گی۔ اُن کی یہ فکر مندی زیادہ دیر تک سارہ کی نگاہوں سے چھپی نہ رہ سکی۔ وہ گھبرا گئیں اور اُٹھتے بیٹھتے یہی سوچنے لگیں کہ اب آگے کہاں جائیں گے۔ سِکم کے نزدیک قیام اور آرام سے اُنہیں نہایت فرحت اور راحت حاصل ہوئی تھی۔ خیر وہ اپنے خاوند کی فرماں بردار بیوی تھیں۔ جب کوچ کا وقت آیا

تو وہ بے چون و چرا اُن کے ہمراہ چل پڑیں۔ چلتے چلتے وہ بیت ایل کے شہر جا پہنچے۔

حضرت سارہ کی لونڈیِ خاص نے دیکھا کہ مالکن بہت تھکی ہوئی ہیں۔ اُس کی تجربہ کار نگاہ نے جان لیا کہ یہ تھکان سفر کی نہیں بلکہ باطنی کش مکش کی وجہ سے بھی ہے۔ سارہ اِس عورت دبورہ کو عرصے سے جانتی تھیں۔ دبورہ کا خاوند مر چکا تھا۔ بچے پل کر جوان ہو گئے تھے اور شادی بیاہ کر کے اپنے اپنے خاندانوں میں خوش تھے۔ اِس لئے دبورہ اپنی تمام تر توجہ اور دل چسپی اپنی مالکن پر نچھاور کرتی تھی۔

رفتہ رفتہ عمر رسیدہ دبورہ اور حضرت سارہ کے درمیان ماں بیٹی جیسی محبت قائم ہو گئی تھی۔ اب دبورہ اپنی حسین مالکن کو بڑی شفقت سے دیکھ رہی تھی۔ اُن کی تھکان محسوس کر کے اُس کا دل اُن کے لئے نرم ہو گیا۔ وہ سوچنے لگی کہ بے شک میرے آقا کی بیوی ہونے کے باعث سارہ بی بی ڈیرے میں اپنی حیثیت جتاتی ہیں۔ کبھی کبھی وہ مغرور اور سخت گیر بھی معلوم ہوتی ہیں۔ پھر بھی وہ دل کی بُری نہیں۔ وہ ملازموں اور غلاموں دونوں ہی کے مزاج کو خوب سمجھتی ہیں۔ عموماً وہ اُن کے

ساتھ اپنے سلوک میں بڑی سمجھ بوجھ سے کام لیتی ہیں۔ اب دبورہ سارہ کے چہرے پر اُکتاہٹ کے آثار دیکھ کر فکرمند ہونے لگی۔

بیت ایل میں خیمہ لگتے ہی دبورہ نے سارہ سے کہا، "آپ تھک گئی ہیں۔ آرام کیجئے۔ رات ہونے سے پہلے ہم کچھ باتیں کریں گی۔ آپ اپنا خیال رکھا کریں۔ مَیں وارث کے سلسلے میں آپ سے ابھی تک نااُمید نہیں ہوئی۔"

سارہ بی بی ٹھنڈی سانس لے کر بولیں، "وارث کا تو اب سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تم جانتی ہو کہ میری عمر زیادہ ہوتی جا رہی ہے۔ خیر اِس میں شک نہیں کہ آج مجھے تھکان محسوس ہو رہی ہے۔" بزرگ دبورہ نے اب فرش پر خوب صورت قالین بچھا دیا تھا جس پر وہ شوخ رنگ کی گدیاں رکھتی جا رہی تھی۔ خیمہ آن کی آن میں آرام دہ گھر میں تبدیل ہو گیا تھا۔ اِسی خیمے میں سارہ کی لونڈیاں بھی رہتی تھیں۔ اچانک سارہ بول اُٹھیں، "کیا تم نے کسی سے یہ معلوم کیا کہ یہاں کے لوگ باگ کیسے ہیں؟"

"کنعان میں متفرق قبیلوں کے لوگ بستے ہیں، اور سب کے سب خاصے دل چسپ معلوم ہوتے ہیں،" دبورہ نے جواب دیا۔ پھر وہ بولی، "بی بی جی، مَیں ایک بوڑھی دادی اماں سے ملی تھی جو لکڑیاں چن رہی تھی۔ باتوں ہی باتوں میں اُس نے کہا کہ پہاڑوں میں رہنے والے اموریوں سے بچ کر رہنا، وہ وحشی اور جنگجو لوگ ہیں۔"

"یہ اچھا ہوا کہ اُس نے خبردار کر دیا۔ ہم ضرور محتاط رہیں گے۔ اَور کچھ؟"

"اور ہاں حِتی قبیلے کے لوگ اُن کے بالکل برعکس معلوم ہوتے ہیں۔ وہ تہذیب یافتہ اور امن پسند ہیں۔ اور ہاں اُن کے ایک شہر کا نام کتب شہر ہے جس میں اُن کا ایک کتب خانہ ہے۔"

"یہ بات تو بہت دل چسپ ہے۔ کیا تم جانتی ہو کہ وہ لوگ دیکھنے میں کیسے ہیں؟ مجھے معلوم ہے کہ تم جب تک کُرید کُرید کر سب کچھ معلوم نہ کرلو دم نہیں لیتیں۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔ وہ بوڑھی دادی بھی میری دریافت کرنے کی عادت کا مذاق اُڑا رہی تھی۔ ہاں وہ کہہ رہی تھی کہ اگر تم کسی کو

ایسے جوتے پہنے ہوئے دیکھو جن کے پنجے اوپر کی طرف مُڑے ہوئے ہوں تو وہ حِتی ہوں گے۔ یہ لوگ قد کے چھوٹے مگر ہٹے کٹے ہوتے ہیں۔ اُن کے بال کالے اور رنگت پیلی سی ہوتی ہے۔ اور ہاں یہ لوگ داڑھی نہیں رکھتے۔"

"بہت خوب۔ دل چسپ۔" سارہ دل چسپی سے اُٹھ کر بیٹھ گئیں۔

"اور ہاں جرارشہر میں اور سمندر کے ساحل پر فلستی رہتے ہیں۔ یہ بھیڑ بکریاں پال کر پُرسکون زندگی بسر کرتے ہیں۔ اُن کا مذہب کچھ حد تک وہی ہے جو اُور کے باشندوں کا تھا۔ قدرت کی پوجا پاٹ کرتے کرتے یہ لوگ ظلم، فحاشی اور بداخلاقی کی طرف مائل ہو گئے ہیں۔"

"لیکن جس عورت سے تم باتیں کر رہی تھیں وہ خود کیسی تھی؟ کیا وہ بھی اِن ہی قبائل میں سے تھی؟"

"نہیں بی بی، یہ تو بتانا ہی بھول گئی کہ وہ اِس ملک کے اصلی باشندوں کی نسل سے تھی۔ اُس نے پھٹے پرانے کپڑے پہن رکھے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اُس کا قبیلہ سب سے زیادہ غریب ہے۔ جب مَیں نے پوچھا کہ کیا تمہارے قبیلے میں عورتوں کی قدر کی جاتی

ہے تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بولی، ’تمہارا اِس سے کیا مطلب ہے؟ ہماری عورتیں گدھوں کی طرح ڈٹ کر کام کرتی ہیں۔ بھلا ہمارے بغیر اُن کے کام کاج کیسے چل سکتے ہیں! اِس سے زیادہ ہم اُن سے کیا اُمید کر سکتی ہیں! مرد آخر مرد ہے اور عورت، عورت! اُن میں کوئی بات مشترک نہیں‘۔“

حضرت سارہ پر غنودگی کے آثار دیکھ کر دبورہ خاموش ہوگئی اور سوچنے لگی کہ اُس قبیلے کی آزاد عورت ہونے سے اپنے آقا کے ڈیرے میں غلام ہونا کئی درجے بہتر ہے۔ اُن کی سرداری میں ہر ایک کے ساتھ انصاف کا سلوک کیا جاتا ہے۔ غلاموں کے ساتھ بھی وہی برتاؤ ہوتا ہے جیسا آزاد نوکروں کے ساتھ، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہم مل جل کر ایک بڑے سے خاندان کی طرح رہتے ہیں۔

سارہ اب اچھی طرح لیٹ چکی تھیں۔ اُن کی پلکیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں، مگر سونے سے پہلے وہ سوچنے لگیں کہ میرے خاوند کے دماغ پر کوئی بوجھ اور فکر ہے۔ اُن کے دماغ میں کوئی تجویز تشکیل پا رہی ہے۔ یہ فکر کیا ہوسکتی ہے؟ ہو نہ ہو اُنہیں علاقے میں قحط پڑنے کا خدشہ ہے۔

اور اِس کا مطلب یہ ہے کہ ہم سب کو پھر سے سفر کرنا ہو گا، پھر کسی دوسری جگہ جانا ہو گا!

جب بی بی سارہ جاگ اُٹھیں تو شام خاصی حد تک ڈھل چکی تھی۔ گو وہ گہری نیند سوئی تھیں تو بھی اُن کے دماغ پر کسی بوجھ کا سا احساس ہو رہا تھا جیسے کوئی خاص کام کرنا باقی ہو۔ پھر یکایک اُنہیں یاد آیا کہ خاوند سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔ ہاں جلد بات چیت کر کے اپنے دماغی بوجھ کو دُور کرنا چاہیئے۔ سارہ کے ذرا سی حرکت کرنے پر اُن کی وفادار لونڈی دبورہ جھٹ اُن کے پاس آ پہنچی۔ اُس نے اپنی بی بی سے کھانا لانے کی اجازت چاہی۔ دبورہ کے لب و لہجے میں ماں جیسی شفقت اور محبت تھی تو بھی سارہ نے کھانا کھانے سے دو ٹوک انکار کر

دیا۔ اُن کے بھنچے ہوئے ہونٹ اور آنکھوں کا خاص تاثر بتا رہا تھا کہ وہ کھانا نہیں کھائیں گی۔ سارہ نے اپنے لمبے سیاہ بالوں میں کنگھی کرتے ہوئے کہا، "میرے لئے نیا لباس لاؤ۔"

بال بنانے کے بعد اُنھوں نے بڑی احتیاط سے اوڑھنی اوڑھی اور لمبے باوقار لباس کو زیبِ تن کیا۔ دبورہ اُنہیں تحسین بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ اُس کی مالکہ نئے لباس میں کتنی دیدہ زیب دکھائی دے رہی تھی۔ بی بی سارہ بولیں، "میرے لئے جاگتی نہ رہنا۔ ممکن ہے واپس آنے میں دیر ہو جائے۔ مَیں اپنے میاں سے چند ضروری باتیں کرنے جا رہی ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد جب وہ حضرت ابراہیم کے خیمے کے قریب پہنچیں تو ڈیرے کے مرد چھوٹے چھوٹے گروہوں میں منقسم جا بجا دم توڑتی آگ کے گرد بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ سب بچے اور بیشتر عورتیں میٹھی نیند کے مزے لوٹ رہے تھے۔ صرف چند عورتیں ابھی تک اپنے گھریلو کام کاج نپٹا رہی تھیں۔ برتن دھونے کا شور دن کی کارروائیوں کا آخری شور تھا۔

حضرت ابراہیم کے خیمے کے سامنے بیٹھے کتے نے اُنہیں ایک آنکھ کھول کر دیکھا اور پہچان کر اپنی دُم ہلا کر تھوڑی سی گرد اُڑائی۔ لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا، اور نہ اُس نے اپنا سر اوپر اُٹھایا۔ بی بی سارہ نے خیمے کا پردہ اُٹھایا اور خاموشی سے اندر داخل ہوگئیں۔ شمع کی مدھم روشنی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی اور فرش پر بچھے قالین پر رکھی بہت سی گدیاں بڑی آرام دِہ معلوم ہو رہی تھیں۔ سارہ یہ دیکھ کر خوش ہوگئیں کہ اُن کے شوہر بیدار ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ دیر سے اپنے مسائل پر سوچ بچار کر رہے ہوں۔

"سارہ تم؟" اُنھوں نے خوب صورت لباس میں ملبوس سُڈول جسم کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ وہ بڑے ناز سے یہ سوچ رہے تھے کہ بیوی جوانی ڈھل جانے کے باوجود کتنی حسین و جمیل نظر آ رہی ہیں۔

"مَیں تو آپ کے کسی کام میں رُکاوٹ نہیں بنی؟ لیکن میرا آنا ضروری تھا۔ دراصل مَیں آپ کو بتانا چاہتی تھی کہ مستقبل کے بارے میں آپ کے منصوبے خواہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں مَیں آپ کے ساتھ ہوں۔ مَیں آپ کو اپنی رضامندی کا یقین دلانے آئی ہوں۔"

"آؤ، آؤ یہاں بیٹھو۔" ابراہیم سارہ کی بات سے موم ہوئے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ سارہ سنگ دل عورت نہیں۔ وہ میرے منصوبوں کی راہ میں حائل نہیں ہونا چاہتیں، حالانکہ ایسا کرنا اُن کے لئے آسان نہیں۔ تب اُن کی آنکھیں چار ہوئیں جو افہام و تفہیم سے بھری ہوئی تھیں، گویا ایک دوسرے سے کہہ رہا ہو مجھے تمہارے دماغ کی سوچوں اورتمہارے دل کے درد کا خوب علم ہے۔

"اچھا کِیا کہ تم آ گئی ہو کیونکہ بعض اُمور کے متعلق تمہارے خیالات کا مجھے علم ہو تو مَیں معاملات کو زیادہ آسانی سے نپٹا سکتا ہوں۔ کیا تم جانتی ہو کہ حاران سے چلتے وقت تمہارے لبوں کی آہیں اورتمہاری آنکھوں کے آنسو میرے لئے کس قدرتکلیف دہ تھے؟" حضرت ابراہیم نے اپنی نگاہیں اپنی بیوی کے چہرے سے ہٹاتے ہوئے کہا۔ اُن کے لہجے میں اُداسی تھی۔ "اور اب ہمیں ایک نیا مسئلہ درپیش ہے۔"

بی بی سارہ اپنا نرم و نازک ہاتھ اپنے خاوند کے مضبوط ہاتھ پر رکھتے ہوئے بولیں، "کیا واقعی اِس علاقے میں کال پڑنے والا ہے؟"

”ہاں اِس میں کوئی شک نہیں۔ تم جانتی ہو کہ اپنے پورے قبیلے اور اُس کے غلاموں، لونڈیوں اور لاتعداد مویشیوں کی جانوں کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ کوچ کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ مَیں جنوب کی جانب مصر جانے کا خیال کر رہا ہوں۔ ہم فی الحال وہاں جا کر رہیں گے۔ بعد ازاں جب اِس علاقے میں حالات تسلی بخش ہوئے تو واپس آ جائیں گے۔“

”ہم مصر میں تو نہیں رہیں گے نا؟“

”نہیں، ہم وہاں نہیں رہیں گے۔ کیا تمہیں یاد ہے کہ اللہ سِکم میں مجھ سے ہم کلام ہوا؟ اُس نے مجھ سے اُس وقت ایک وعدہ بھی کیا۔ مَیں نے جان بوجھ کر اب تک تم سے اُس وعدے کا ذکر نہیں کیا اِس لئے کہ وارث کا ذکر ہمیشہ تمہیں کئی دنوں تک پریشان کر دیا کرتا ہے۔“

سارہ نے لمبی سانس لے کر کہا، ”تو خدا نے وارث کے متعلق کچھ کہا ہے؟“

حضرت ابراہیم نے اپنی بیوی پر ایک بھرپور نگاہ ڈالی تاکہ یہ جان لیں کہ اِس ذکر سے اُن کے دل کا زخم ہرا تو نہیں ہو گیا۔ لیکن بی بی

سارہ کے دل میں جو کچھ بھی تھا اُن کی نگاہوں سے چھپا رہا اِس لئے کہ اُن کی بیوی نے تہیہ کر رکھا تھا کہ وہ اپنے آنسوؤں کو صرف اپنے خیمے میں جا کر بہائیں گی۔ وہ یہاں آنسو بہانے نہیں بلکہ اپنے خاوند کا غم غلط کرنے آئی تھیں۔ پس حضرت ابراہیم نے کہا، "اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ یہ ملک میری اولاد کی ملکیت میں کر دے گا۔ سارہ، خدا ہمیں بیٹا دے گا۔" اُن کے لب و لہجے میں ایمان و یقین کا وزن تھا۔

سارہ نے اپنی بے یقینی کو دل کے کسی گوشے میں دبا دیا اور پھر اپنے دل کے تمام تر خلوص کے ساتھ بولیں، "کاش مَیں اِس ضمن میں آپ کی مدد کر سکتی! لیکن یہ میرے بس کی بات نہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ آپ کو خوش و خرم دیکھنا میری زندگی کا واحد مقصد ہے۔ مَیں صرف اِتنا کر سکتی ہوں کہ آپ اِس سلسلے میں جو قدم اُٹھائیں مَیں خوشی سے آپ کی حمایت کروں۔ یہ بیٹا آپ کے ہاں کسی اَور بطن سے بھی ہو سکتا ہے۔"

مزید گفتگو کے بعد جب حضرت ابراہیم اُنہیں اُن کے خیمے تک چھوڑنے کے لئے آئے تو رات بھیگ چکی تھی۔ اپنے خاوند کے ساتھ

ساتھ قدم مارتے ہوئے سارہ کو اُن کی محبت کا قوی احساس تھا۔ اِس کے باوجود اُن کا دل اُس گھاؤ کی طرح دُکھ رہا تھا جس میں کانٹا چبھ گیا ہو۔ وہ چپ چاپ اپنے بستر پر لیٹ گئیں۔ اُن کی سوچوں پر نااُمیدی کی کالی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ اُن کی نگاہیں اندھیرے میں خلا کو گھورتی رہیں۔ اب وہ سب کی نظروں سے دُور تھیں۔ اب وہ آزادی سے آنسو بہا کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر سکتی تھیں، مگر نہ جانے کیوں اُن کی آنکھوں میں آنسو نہ آئے۔

"مَیں ماں کیوں نہیں بن سکتی؟ میرے صحت مند جسم میں کیا کمی ہے؟ آہ! قبیلے کے سارے افراد میرے بطن سے وارث کی توقع کرتے ہیں۔ قبیلے کی بہت سی عورتیں مجھے حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگی ہیں، صرف اِس لئے کہ وہ اولاد والی ہیں اور مَیں بے اولاد۔ مَیں جو اُن کے سردار کی رفیقۂ حیات ہوں زندگی کی سب سے بڑی بخشش سے محروم ہوں۔ بے اولاد ہونا میرے ماتھے پر کلنک کا ٹیکا ہے۔ لگتا ہے کہ اب اللہ نے بھی مجھے اِس حالت میں چھوڑ دیا ہے کہ لوگ میرا مضحکہ اُڑائیں۔ اُس نے میرے خاوند کے دل میں اُمید کی کرن کیوں جگائی؟ آہ! یہ کیسا خدا ہے

جس نے میرے پرانے زخم کو ہرا کر کے میری دُکھتی رگ کو چھیڑ دیا ہے؟ کیا صاف ظاہر نہیں ہے کہ مَیں اِس عمر میں بچے والی نہیں ہو سکتی؟"

اُن کی بدنصیبی کا خیال اُن پر حاوی ہوا، اور اُن کے خیالات اِسی قسم کے احساسات کی رَو میں بہتے چلے گئے۔ پھر وہ اپنے مستقبل کے بارے میں سوچنے لگیں جو بالکل تاریک اور خوشی سے خالی نظر آرہا تھا۔ لیٹے لیٹے اُنھوں نے دل ہی دل میں التجا کی، "اے خدا تُو کہاں ہے؟ مَیں تجھے جاننا چاہتی ہوں۔ تیری خدمت کرنا چاہتی ہوں۔"

لیکن اُنہیں کوئی جواب نہ ملا، نہ اُنہیں کسی تقویت دینے والی حضوری کا احساس ہوا۔ تب صبر کے سب بند ٹوٹ گئے اور آنسو ساون بھادوں کی جھڑی کی طرح اُن کے رخساروں پر بہہ نکلے۔ یوں آٹھ آٹھ آنسو روتے ہوئے وہ تلخی سے سوچنے لگیں کہ اگر اللہ قادرِ مطلق ہے تو مجھے بچہ عطا کرنے پر ضرور قادر ہے۔ وہ کیوں میری خستہ حالی پر رحم نہیں کرتا؟ روتے روتے اُن کی ہچکی بندھ گئی۔ جب اُنہیں اپنی ہچکیوں پر قابو نہ رہا تو اُن کی وفادار لونڈی گھبرا گئی اور بولی، "بی بی جی آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟ کیا پینے کے لئے کچھ لاؤں؟"

مگر سارہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ دبورہ نے جان لیا کہ مالکن کچھ دیر کے لئے مداخلت پسند نہیں کریں گی۔ پس وہ پھر لیٹ گئی۔ وہ مالکن کے لئے ایسے پریشان تھی گویا اُن کا دُکھ درد اُس کا اپنا ہو۔

حضرت ابراہیم اپنے منصوبے کے مطابق قحط سالی سے وقتی بچاؤ کی خاطر آہستہ آہستہ مصر کی طرف قدم مارنے لگے۔ لیکن اُن کے دل میں ایک عجیب بے چینی سی تھی۔ اللہ کی دھیمی آواز اُنہیں اُس پر کامل توکل رکھنے کو کہہ رہی تھی۔ یہ کہہ رہی تھی کہ جس خدا نے تجھے ماضی میں لاتعداد خطرات سے بچایا ہے وہ تجھے مستقبل میں بھی بھوک اور تنگی سے بچائے گا۔ سوچ لے کہ مصر جانا خطرے سے خالی نہ ہو گا۔ لیکن حضرت ابراہیم اپنی عقل پر بھروسا کر کے اپنے فیصلے پر قائم رہے۔

ایک بات تو اُنہیں چُبھتی رہتی کہ اللہ کے ساتھ اُن کی رفاقت میں پہلے جیسا لطف نہ رہا تھا۔ مسرت کا عنصر غائب تھا۔ اِس بات سے وہ بہت پریشان ہوئے۔ اُنہیں اُس وقت یہ خیال کیوں نہ آیا کہ اللہ کی پرستش کی سب سے اہم بات خدا پر کامل بھروسا ہے؟ اب مصر کی

حد صاف نظر آ رہی تھی اور آخر کار فیصلہ کرنے کا دن آ گیا۔ چونکہ اُنھیں خوراک مہیا کرنے والے خدا کے بجائے صرف سوکھی گھاس نظر آ رہی تھی، اِس لئے وہ حدود پار کر کے ملکِ مصر میں داخل ہو گئے۔ اُنھوں نے اللہ میں پناہ لینے کے بجائے مصر میں پناہ لی۔

پہلے پہل تو محسوس ہوا کہ ملکِ مصر آنے سے اُن کے دن پھر گئے ہیں کیونکہ کم از کم یہاں خوراک کی قلت نہیں تھی۔ گلّوں کے لئے سرسبز چراگاہیں اور لوگوں کے لئے مصر کے بازاروں میں اناج، سبزی اور پھلوں کی گوناگوں اقسام دست یاب تھیں۔ کال کا امکان ماضی کی داستان بن گیا تھا۔

تاہم ایک فکر حضرت ابراہیم کے دل میں جڑ پکڑنے لگی۔ اُنھوں نے دیکھا کہ مصری اُن کی حسین بیوی کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ اُن کا دل خوف سے بھر گیا۔ وہ سوچنے لگے کہ کیا وہی کچھ ہو گا جس کا مجھے خدشہ ہے؟ کیا یہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے تاکہ آزادی سے سارہ پر ہاتھ ڈال سکیں؟ یقیناً یہ لوگ سارہ کے حسن کے چرچے فرعون کے دربار تک پہنچائیں گے۔ اِس سے پہلے زندگی میں ابراہیم کبھی اِس

قدر پریشان اور خوف زدہ نہیں ہوئے تھے۔ اُنہیں اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ آخر وہ جانتے تھے کہ مصر آنا اللہ کی رضا کے مطابق نہ تھا۔ کیا یہ بھی پریشانی کی ایک وجہ تھی؟

ایک اَور تھا جو اُن کا غور سے جائزہ لے رہا تھا۔ ابلیس اپنے لاؤ لشکر سمیت حضرت ابراہیم کے خدا پر بڑھنے والے ایمان پر دھیان دے رہا تھا۔ وہ اُن کی روحانی زندگی کو اداس اور حسد بھرے نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ بھی اُن کی زندگی میں اپنا کردار ادا کرنا چاہتا تھا، کیونکہ وہ حضرت ابراہیم کی زندگی میں اللہ کا منصوبہ ناکام بنانا چاہتا تھا۔ اپنے اِس مقصد کو پانے کے لئے وہ انواع و اقسام کے حیلے حربے استعمال کرتا اور ہزاروں قسم کے جال پھیلاتا تھا۔

قصۂ مختصر یہ کہ جہاں اللہ حضرت ابراہیم کا نگران تھا وہاں ابلیس بھی گھات لگائے بیٹھا تھا کہ موقع پا کر وار کرے۔ الغرض آنکھوں سے اوجھل اِن دو راہبروں کے ساتھ حضرت ابراہیم مصر میں آگے ہی آگے بڑھتے چلے گئے۔ ایک دن ابلیس جو "ازل سے جھوٹا" کہلاتا ہے اُن

پر کسی قدر زیادہ غلبہ حاصل کر گیا۔ اُس دن تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک ہی حربے میں خدا کی تجویز کو چوپٹ کر کے رکھ دے گا۔

ہوا یوں کہ ایک دن مصر کے بادشاہ فرعون کی طرف سے قاصد اُن کے خیمے تک آ پہنچے۔ رسمی سلام دعا کے بعد اُنہوں نے تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کیں اور پھر حسین و جمیل بی بی سارہ کے متعلق پوچھا کہ وہ کون ہیں اور کیا آپ اُنہیں فرعون کی بیوی بننے کے لئے اُس کے حرم سرا میں بھیج سکتے ہیں؟

حضرت ابراہیم سوچ بچار میں پڑ گئے کہ کیا کہیں کہ عین اُس وقت ابلیس نے اُن کے کان میں سرگوشی کی، "دیکھتے کیا ہو، کہہ دو وہ تمہاری بہن ہے اور یہ جھوٹ بھی نہیں ہے کیونکہ وہ تمہاری سوتیلی بہن ہے۔ ویسے بھی کیا تم نے سارہ کے ساتھ معاہدہ نہیں کیا تھا کہ خطرے کے وقت تم اُسے اپنی بہن ہی بتاؤ گے؟ یہ بات تو تم نے اُور شہر سے چلتے وقت ہی اُس کے ساتھ طے کر لی تھی۔"

اب قاصد حضرت ابراہیم کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے بادشاہ کی تعریفوں کے پُل باندھنے لگے۔ حضرت ابراہیم دھڑکتے دل سے

سب کچھ سنتے گئے۔ دل میں اُنھوں نے سوچا کہ سارہ غالباً وہاں خوش رہے گی۔ خود مجھے بھی بے شمار تحفے تحائف ملیں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر مَیں انکار کروں تو ایک دم موت کے گھاٹ اُتار دیا جاؤں گا۔ خیر شیطان اُن پر اپنا جادو چلا چکا تھا۔ اُدھر فرعون کے قاصدوں نے پھر سے اپنا سوال دُہرایا، "جناب ہم آپ کے پاس ایک درخواست کے ساتھ آئے ہیں۔ کیا آپ کو یہ درخواست منظور ہے؟"

"آپ کا اُس کے ساتھ کیا رشتہ ہے؟" ایک اَور نے سوال کیا۔

حضرت ابراہیم کپکپاتی آواز میں بولے، "سارہ میری بہن ہے۔ اگر فرعون کی یہی خواہش ہے تو آپ اُسے لے جا سکتے ہیں۔"

بی بی سارہ کو بلوایا گیا، اور فرعون کے قاصد اُنھیں ساتھ لے جانے کو اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اُن کے ساتھ جانے سے پہلے سارہ نے اپنے خاوند پر ایک الوداعی نگاہ ڈالی، مگر یہ نگاہ بغیر الفاظ کے بہت کچھ کہہ گئی۔ پہلے یہ کہ "اے میرے مالک، مَیں آپ سے محبت کرتی ہوں اور کرتی رہوں گی۔" لیکن دوسرے یہ کہ "مجھے آپ سے ایسی توقع نہ تھی۔"

اور شاید تیسری بات جو خاوند نے اپنی بیوی کی اُس ایک نگاہ میں پڑھی وہ یہ تھی کہ "کیا اللہ پر توکل رکھنا اِسے کہتے ہیں؟"

غرض وہ نگاہ حضرت ابراہیم کو پانی پانی کر گئی اور پہروں تک کچوکے لگاتی رہی۔ اب اُنہیں یاد آیا کہ بیوی بہت بار اُن سے سچے خدا کے متعلق سوال پوچھا کرتی تھیں۔ مثلاً ہم کس طرح وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ موجود ہے؟ ابراہیم تلملا اُٹھے کہ میرے اِس فعل سے اُس کے ایمان کو کتنا دھچکا لگا ہو گا۔ کتنا صدمہ پہنچا ہو گا! میری اِس حرکت نے ظاہر کیا کہ میرا ایمان کتنا کم زور ہے۔ مجھ سے کتنی بڑی لغزش سرزد ہوئی ہے۔ مَیں ابلیس کے جال میں پھنس گیا ہوں۔ جھوٹ کے دو لفظوں نے میرے لئے کتنی بڑی مشکلات کھڑی کر دی ہیں۔ سارہ ہاتھ سے نکل گئی ہے۔ مَیں نے بیوی کے اعتماد کو چکنا چور کر دیا تھا۔

اِن تمام خیالوں سے ابراہیم کی بے چینی بڑھتی گئی۔ فرعون کے بھیجے ہوئے تحفے تحائف اُنہیں گویا کانٹوں کی طرح چبھوتے رہتے تھے۔ اونٹ، گدھے، بیل، بکریاں، لونڈے لونڈیاں — کیا یہ سب کچھ وفا شعار سارہ

کا نعم البدل ہو سکتا تھا ؟ یہ سب کچھ کیوں اور کیسے ہو گیا، اُنھوں نے انتہائی کرب اور شرم سے سوچا۔

اُدھر ڈیرے میں اِس معاملے میں لوگ طرح طرح کے خیال پیش کر رہے تھے۔ بعض کی رائے تھی کہ سردار نے جو کیا مناسب تھا، کیونکہ اِس سے ہر ایک کے سر سے خطرہ ٹل گیا ہے۔ اب ہمیں فرعون کے غضب سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اور ویسے بھی غالباً ہماری مالکن خوش باش زندگی بسر کریں گی۔ لیکن بعض ایسے بھی تھے جنہیں بی بی سارہ پر ترس آتا تھا۔ اُنہیں اپنی بے چاری مالکن سے بڑی ہمدردی تھی۔ وہ تو جانتے تھے کہ وہ اپنے شوہر سے بے حد محبت کرتی ہیں۔ اُن سے جدا ہو کر وہ کس طرح خوش ہو سکتی ہیں؟

ایک اَور گروہ اپنے محبوب لیڈر کی اِس حرکت کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اِس کو "بزدلانہ حرکت" کا نام دے رہا تھا اور پوچھتا تھا کہ ہمارے سردار کی جرأت اور دلیری کہاں سو گئی ہے۔ یقیناً سردار کا یہ فعل اُن کے عام کردار کے مطابق نہیں۔ کیا یہ وہی ہمارے آقا ہیں

جو ہم سب کو یہ درس دیتے آئے ہیں کہ سب حالات میں سچے خدا پر توکل کرو؟

غرض پورے ڈیرے میں تہلکہ مچ گیا۔ اِس میں شک نہیں کہ حالات بڑے مایوس کن تھے اور پانی سر سے گزر چکا تھا۔ لیکن جہاں انسان بے بس ہے وہاں قادر خدا سب کچھ کرسکتا ہے۔ وہ اب تک حالات پر حاوی تھا اور بگڑی بات کو بنا سکتا تھا۔ وہ حضرت ابراہیم کے ظاہر و باطن کو جانتا تھا۔ اُس نے اِس پیچیدہ مسئلے کو استعمال کیا تاکہ اپنے خادم کو چند قیمتی سبق سکھائے۔ وہ چاہتا تھا کہ ابراہیم اِس مشکل وقت میں اپنی چھان پھٹک کر اپنے آپ کو اچھی طرح جان لیں۔ وہ اپنی کمزوری کو پہچان کر اللّٰہ کی زیادہ قربت میں رہنے کی ضرورت کو محسوس کریں اور اُس کی حضوری میں چلنے کے لئے کوشاں رہیں۔

جب حضرت ابراہیم اپنے کئے پر پشیمان ہونے لگے تو اللّٰہ کا قادر ہاتھ اِس عُقدے کو حل کرنے میں لگ چکا تھا۔ ایسا ہوا کہ جوں ہی سارہ فرعون کے محل میں پہنچائی گئیں تو خدا نے فرعون کے گھرانے میں سخت وبا پھیلا دی۔ صورتِ حال یکایک ایسی سنگین ہوگئی کہ اُسے اپنی نئی

بیوی کی طرف توجہ دینے کی کوئی فرصت ہی نہ ملی۔ تب اللہ نے خواب میں بادشاہ پر ظاہر کیا کہ یہ ساری سختی اور مصیبت سارہ کی وجہ سے ہے جو پہلے ہی سے بیاہی ہوئی ہے۔ فرعون نے ایک دم حضرت ابراہیم کو بلا بھیجا اور اُنہیں سخت لہجے میں کہا، "تُو نے میرے ساتھ کیا کِیا؟ تُو نے مجھے کیوں نہیں بتایا کہ سارہ تیری بیوی ہے؟ تُو نے کیوں کہا کہ وہ میری بہن ہے؟ دیکھ، تیری بیوی حاضر ہے۔ اِسے لے کر یہاں سے نکل جا!"

حضرت ابراہیم اور بی بی سارہ کے لئے یہ نہایت ہی شرم ناک موقع تھا۔ اُس بے دین کے منہ سے ایسی باتیں سننا دونوں کے لئے بڑی ندامت کا باعث تھا۔ بے شک بادشاہ نے حضرت ابراہیم کو سخت سزا محض اِس لئے نہ دی کہ وہ اُن کے خدا کے اِنتقام سے ڈرتا تھا۔ تو بھی میاں بیوی شرم سار ہوئے کہ اِس وقت ایک بے دین بادشاہ ہماری نسبت اللہ کے حکم کی پیروی بہتر طور پر کر رہا ہے۔

جب حضرت ابراہیم بی بی سارہ کو ساتھ لے کر اپنے ڈیرے پر پہنچے تو اُنہیں اپنی لغزش پر بے حد افسوس ہوا۔ اگر یہ احساسِ ندامت اُن کے ضمیر کو ملامت نہ کرتا ہوتا تو ایک دوسرے کو دوبارہ پا لینے پر وہ

دونوں خوشی کے شادیانے بجاتے۔ ویسے حقیقت تو یہ ہے کہ اُن کے پاس شادیانے بجانے کی کوئی فرصت ہی نہ تھی کیونکہ ساتھ ساتھ فرعون کے سپاہی آموجود ہوئے۔ وہ اُن کے کارواں کو مصر سے باہر لے جانے میں رہبری کرنے آئے تھے۔ حضرت ابراہیم کو خوب معلوم تھا کہ یہ سپاہی ہماری عزت کرنے کو ساتھ نہیں دے رہے بلکہ اِس لئے کہ فرعون ہمیں شک کی نگاہ سے دیکھنے لگا ہے۔

کارواں روانہ ہوکر دوبارہ اُسی راستے پر ہو لیا جس پر چل کر مصر پہنچا تھا۔ دن، ہفتے اور مہینے سفر میں گزر گئے۔ خیمے گاڑے اور اکھاڑے گئے۔ ڈیرا اُٹھاتے وقت جس طرح خیموں کی بہت سی میخیں اُکھاڑی جاتی تھیں اُسی طرح اللہ نے بہت سی خرابیاں حضرت ابراہیم کے دل سے نکال باہر کیں۔

اِس طرح آہستہ آہستہ بیت ایل کی طرف قدم مارتے ہوئے خدا نے اپنے خادم کو بہت سے قابلِ قدر سبق سکھائے۔ جب آخرکار وہ اُس جگہ کے مقابل آئے جہاں سے روانہ ہوئے تھے تو اُنہوں نے اِس حقیقت کو پہچان لیا کہ اللہ نیم گرم زندگی پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ اُنہوں نے بیت ایل

کے مذبح کو دوبارہ تعمیر کیا۔ یاد رہے کہ اپنی مرضی سے بیت ایل سے چلنے کے بعد سے اب تک اُنہوں نے کوئی مذبح نہ بنایا تھا کیونکہ خدا کے ساتھ گہری رفاقت کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔ آج وہ وہاں دوبارہ اللہ کی عبادت کرنے کے خواہاں تھے۔ اُنہوں نے جانور کی قربانی گزران کر ظاہر کیا کہ مَیں پھر سے اپنی زندگی کو کُلی طور پر اللہ کے ہاتھ میں سونپ رہا ہوں۔ اور ایسا کرتے ہوئے حضرت ابراہیم کا دل بے پایاں مسرت سے لبریز ہو گیا۔ خدا کی عظیم بخشش اُنہیں دوبارہ راہِ مستقیم پر لے آئی تھی۔

خیموں کا گنجان گاؤں آج بھی پُرسکون نظر آ رہا تھا، لیکن حقیقت کچھ اَور ہی تھی۔ یہاں کے رہنے والے افراد دو گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک گروہ حضرت ابراہیم کے بھتیجے حضرت لوط کے حق میں نعرے لگا رہا تھا جبکہ دوسرا گروہ اپنے آقا ابراہیم کے حق میں تھا۔ کیا ہوا تھا؟ دونوں سرداروں کے پاس بہت سے مال مویشی اور بھیڑ بکریاں تھیں۔ چراگاہیں دونوں کے مویشیوں کے لئے ناکافی تھیں۔ اِس لئے جب سے وہ مصر سے آئے تھے دونوں کے چرواہوں کے درمیان آئے دن تکرار رہتی۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ جھگڑا سنجیدہ صورت اختیار کرتا گیا۔

ہوتا یوں کہ حضرت ابراہیم کے چرواہے حضرت لوط کے گلّہ بانوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر دُور ہٹانے کی کوشش کرتے۔ لیکن وہ بھی منہ میں زبان رکھتے تھے۔ وہ بھی ترکی بہ ترکی جواب دیتے۔ بات تُو تُو مَیں مَیں سے ہاتھا پائی تک پہنچ جاتی اور دیکھتے ہی دیکھتے لاٹھی سونٹے تک کی نوبت آ جاتی۔ اب یہ تماشا آئے دن ہونے لگا۔ آس پاس کے بے دین لوگ روزانہ یہ ڈرامہ دیکھتے رہے۔

پہلے پہل تو یہ جھگڑے چراگاہوں یا کھلے میدانوں ہی میں ہوتے تھے اور گاؤں کے لوگ جوں کے توں امن سے رہتے۔ لیکن رفتہ رفتہ اب اُن کے گھر والوں نے بھی اپنے اپنے آدمیوں کی حامی بھرنی شروع کی۔ اِس طرح باہر کا فتنہ فساد گھر کی چاردیواری تک آ پہنچا، یہاں تک کہ پورا گاؤں دو گروہوں میں بٹ گیا۔

حضرت ابراہیم نے حالات کو جلدی کیوں نہ سنبھالا ؟ کیا وہ نظم و ضبط کو قائم نہ رکھ سکتے تھے؟ یا کیا وہ جان بوجھ کر مداخلت سے باز رہ رہے تھے تاکہ اپنے بھتیجے پر ثابت کریں کہ آئندہ وہ اکٹھے نہیں رہ سکیں گے؟ شاید حضرت لوط اُتنے میں سوچ رہے تھے کہ جس دن معاملہ حد سے بڑھا

زمینوں یا چراگاہوں کا بٹوارا ہو کر رہے گا۔ غالباً بزرگ تایا مجھے کم زرخیز چراگاہیں دے کر راستے سے ہٹا دیں گے۔ آخر اللہ نے اُنہیں یہ ملک دینے کا وعدہ کیا ہے مجھے نہیں۔

ایک دن اچھی خاصی جھڑپ کے بعد حضرت ابراہیم کے گلہ بان اپنے آقا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بزرگ مالک نے صبر و تحمل سے اُن کے گِلے شکوے سنے اور اُنہیں سمجھا بجھا کر واپس بھیج دیا۔ لیکن اُن کے جاتے ہی حضرت لوط کو طلب فرمایا۔ ممکن ہے کہ اُس دن لوط اِس بلاوے کا انتظار کر رہے ہوں تاکہ اپنے آدمیوں کی طرف سے صفائی پیش کریں اور یہ فیصلہ ہو جائے کہ کون حق پر ہے۔ وہ اُن کے پاس آئے تو اُنہوں نے نہایت تحمل اور بردباری سے اُنہیں سمجھاتے ہوئے کہا، ”ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ تیرے اور میرے درمیان جھگڑا ہو یا تیرے چرواہوں اور میرے چرواہوں کے درمیان۔ ہم تو بھائی ہیں۔“

حضرت ابراہیم نے اپنے بھتیجے کو سمجھایا کہ اِس طرح دونوں خاندانوں میں نااتفاقی بڑھ کر جدائی کی دیوار بن جائے گی۔ قریبی رشتے داروں کو متحد ہو کر رہنا چاہئے۔ حضرت لوط نے ہاں میں سر ہلایا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ

اگرصورتِ حال ایسی ہی رہی تو ممکن ہے کنعانی اِس سے فائدہ اُٹھا کر ہم پر حملہ کرکے غلبہ حاصل کر لیں۔ حضرت ابراہیم کے نزدیک ایک اَور بات زیادہ اہم تھی۔ یہ کہ لوگ آئے دن کا یہ جھگڑا دیکھ کر سچے خدا کے متعلق کیا سوچیں گے۔ اگر وہ اپنی زندگی سے اچھی مثال پیش نہیں کر سکتے تو اُنہیں اللہ کی شفقت اور سیرت کا پرچار نہیں کرنا چاہئے۔ باتیں کرتے کرتے حضرت ابراہیم اپنے بھتیجے کو باہر ایک بلند جگہ پر لے گئے جہاں سے بیت ایل کی ساری سرزمین خوب نظر آ رہی تھی۔ وہاں اُنہوں نے حضرت لوط سے کہا، "بہتر ہے کہ تُو مجھ سے الگ ہو کر کہیں اَور رہے۔ اگر تُو بائیں ہاتھ جائے تو مَیں دائیں ہاتھ جاؤں گا، اور اگر تُو دائیں ہاتھ جائے تو مَیں بائیں ہاتھ جاؤں گا۔"

یہ کتنی فراخ دل پیش کش تھی! لیکن حضرت لوط نے جواب میں کوئی رکھ رکھاؤ یا کشادہ دلی نہ دکھائی۔ اُنہوں نے اِس بات کا خیال نہ کیا کہ تایا جی کو عمر اور رشتے میں بڑا ہونے کے باعث پہلے چناؤ کا موقع دیں۔ اِس کے برعکس اُنہوں نے سارے علاقے پر نظر دوڑائی اور دیکھا کہ تین طرف چٹیل پہاڑی علاقہ ہے جہاں زیادہ ہریاول نہیں۔ پھر اُن کی

نگاہیں جنوب مشرق کی طرف جم کر رہ گئیں۔ وہاں دریائے یردن ایک چوڑی وادی میں سے بہہ رہا تھا، اور اُس کے ہر طرف حدِنظر تک سبزہ ہی سبزہ نظر آ رہا تھا۔ اُنہوں نے فوراً فیصلہ کر لیا کہ یہی میرا علاقہ ہو گا۔ گھٹیا علاقہ تایا جی کو مبارک ہو۔

حضرت ابراہیم نے بے چون و چرا اُن کے فیصلے کو تسلیم کر لیا۔ لیکن جب حضرت لوط وادیِ یردن میں سدوم کے شاداب لیکن بدکردار شہر کی طرف بڑھنے لگے تو تایا کو بہت صدمہ ہوا۔ اُنہوں نے دیکھا کہ سدوم کا شہر اُس ناتجربہ کار جوان کو مقناطیس کی طرح کھینچ رہا ہے۔ پہلے تو حضرت لوط نے شہر کے قریب ڈیرے لگائے۔ لیکن رفتہ رفتہ سدومیوں کے ساتھ اُن کی سلام دعا بڑھتی چلی گئی۔ کچھ عرصے بعد اُنہوں نے اُنہیں دعوت دی کہ وہ بزرگوں کے ساتھ قابلِ احترام جگہ پر بیٹھ کر منصف کی حیثیت سے اُن کے جھگڑے چکائیں۔ حضرت لوط جو اِس زندگی میں کامیابی کے خواہاں تھے اور مال و متاع اکٹھا کرنے کے متمنی تھے اُن کی باتوں میں آ گئے اور اُن کے درمیان جا کر رہنے لگے۔

حضرت لوط ایک عرصے سے اپنے بزرگ تایا کے ساتھی رہے تھے۔ یہ قدرتی بات تھی کہ حضرت ابراہیم اُن کے جانے کے بعد اُن کی کمی کو محسوس کرتے۔ وہ اُن کی خود غرضی اور بے دین لوگوں میں بود و باش کو دیکھ کر اکثر اُداس ہو جاتے تھے۔ اب وہ جان گئے کہ لوط کا مذہبی جوش و خروش محض وقتی اور سطحی تھا۔ اب وہ جوش و جذبہ ہنڈیا کے اُبال کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ اُن کی مرضی، اُن کی دل چسپی اور اُن کی زندگی کا نصب العین اللہ کی رضا کے تابع نہیں تھا۔ اپنی زندگی کے اِس اہم موڑ پر اُنہوں نے اللہ کو خاطر میں لائے بغیر فوراً فیصلہ کر دیا کہ وہ سدوم کے علاقے میں رہیں گے۔

اب حضرت ابراہیم ملکِ کنعان میں زندہ خدا کے واحد گواہ تھے۔ لگتا تھا کہ بھتیجے کے چلے جانے کے ساتھ ہی خاندان کے ساتھ رابطے کی آخری کڑی بھی ٹُوٹ گئی ہے۔ غرض یہ وقت ابراہیم کو نہایت مشکل لگ رہا تھا۔ تنہائی، مایوسی اور اُداسی کے بادل اُن پر پوری طرح چھا گئے۔ اُن کی عین ضرورت کے وقت اللہ نے اُن پر نظر کی اور اُن سے ہم کلام ہو کر اُن کی حوصلہ افزائی کی۔ اُس نے فرمایا، "اپنی نظر اُٹھا کر

چاروں طرف یعنی شمال، جنوب، مشرق اور مغرب کی طرف دیکھ۔ جو بھی زمین تجھے نظر آئے اُسے مَیں تجھے اور تیری اولاد کو ہمیشہ کے لئے دیتا ہوں۔ مَیں تیری اولاد کو خاک کی طرح بےشمار ہونے دوں گا۔ جس طرح خاک کے ذرے گنے نہیں جا سکتے اُسی طرح تیری اولاد بھی گنی نہیں جا سکے گی۔ چنانچہ اُٹھ کر اِس ملک کی ہر جگہ چل پھر، کیونکہ مَیں اِسے تجھے دیتا ہوں۔"

اِس کلام سے حضرت ابراہیم اِس قدر تقویت ملی کہ اُداسی اور مستقبل کے بارے میں اُن کی سوچ ایک دم بدل گئی۔ اُنہیں محسوس ہوا کہ صرف اللہ ہی ایسی ہستی ہے جس پر مَیں ہر حال میں بھروسا کر سکتا ہوں۔ اب اُنہوں نے جان لیا کہ خدا کی محبت نے ہی یہ مناسب جانا کہ لوط کے ساتھ رابطہ جاتا رہے۔ اُن کی روحانی ترقی کے لئے اِسی قدم کی ضرورت تھی۔

اُن دنوں حضرت ابراہیم نے شہر حبرون سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر ممرے کے بلوطوں کے جھنڈ تلے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔

حبرون ایک تنگ گھاٹی کے سرے پر ایک خوش نما مقام تھا۔ یہاں کے انگورستان اِسے انوکھا رُوپ دیتے تھے جبکہ زیتون کے جھنڈ اور دیگر پھل دار درخت اِس کے منظر کی دل کشی کو چار چاند لگاتے تھے۔ قریب ہی حبرون کی سرسبز وادی تھی جو جنوب میں تقریباً 30 یا 40 میل تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں پر اُن کے چرواہوں کو بہت عمدہ چراگاہیں مل گئی تھیں۔ ویسے بھی زندگی کے اِس موڑ پر اللہ نے اپنے خادم پر گوناگوں رحمتوں کی بارش برسائی۔ اب کہیں زرخیز زمین کی تلاش کے لئے سارے علاقے میں گشت لگانے کی ضرورت نہ تھی۔ اُنھوں نے اپنی خیمہ گاہ کو آئے دن بدلنا بھی چھوڑ دیا۔ جب نئی چراگاہوں کی ضرورت ہوتی تو وہ اپنے قابلِ اعتبار گلہ بانوں کو گلوں کے ساتھ نئی چراگاہوں میں بھیج دیتے، لیکن خود وہیں کے وہیں رہتے تھے۔

وہ لوگ کیسے تھے جو حضرت ابراہیم سے پہلے حبرون کے علاقے میں آباد ہوئے تھے؟ یہاں پر کئی مختلف قبیلے بود و باش کرتے تھے جن میں سے امن پسند حِتّی اور وحشی اور تندخُو اموری زیادہ قابلِ ذکر ہیں۔ تین بھائی اموری قبیلے کے سردار تھے جن کے نام عانیر، ممرے اور اِسکال

ہیں۔ وہ حضرت ابراہیم کے مستقل دوست بن گئے تھے۔ وہ پہچان چکے تھے کہ حضرت ابراہیم جیسے اثر و رسوخ والے سے دوستی بہت مفید ہو گا۔ اُن کے دانش مندانہ مشورے اور مالی اِمداد ہمارے معاشرے کو مزید استحکام دے سکیں گے۔ اگر دشمن کا سامنا کرنا پڑے تو وہ ہمارے ساتھ متحد ہو کر مقابلہ کریں گے۔ اُن کا یہ خیال درست بھی ثابت ہوا۔ پہلے باب میں جس واقعے کا ذکر ہے وہ حضرت ابراہیم کے ممرے کے قیام کے دوران ہی پیش آیا تھا۔ جب شاہ کدرلاعُمر حضرت لوط اور دیگر سدومیوں کو اسیر کر کے لے گیا تو حضرت ابراہیم اور اموریوں نے مل کر کدرلاعُمر پر فتح حاصل کی اور قیدیوں کو رِہا کروا لیا۔

اِس بڑی فتح کے بعد رب پھر اپنے خادم پر ظاہر ہوا۔ رات کے وقت وہ اُن سے ہم کلام ہوا، "مَیں رب ہوں جو تجھے کسدیوں کے اُور سے یہاں لے آیا تاکہ تجھے یہ ملک میراث میں دے دوں۔" یوں اللہ چوتھی مرتبہ اُن سے ہم کلام ہوا۔

ہوتے ہوتے حضرت ابراہیم اللہ کی آواز کو خوب پہچان گئے تھے۔ وہ خاصی حد تک اُس کی سیرت کو جان گئے تھے۔ اِس مرتبہ اُنہیں محسوس

ہوا گویا خدا چاہتا ہے کہ مَیں دل کھول کر اپنی مشکلات اور خدشات اُس پر ظاہر کروں۔ کہ جس طرح بچے جواب پانے کا یقین کر کے باپ سے سوال پوچھتے ہیں اُسی طرح مَیں بھی اللہ سے سوال کروں۔ ہاں حضرت ابراہیم کو یقین تھا کہ اللہ جواب دے گا۔ ممکن ہے کہ وہ فوراً جواب نہ دے۔ اُسے تو معلوم ہے کہ فی الحال ہم سب باتوں کی برداشت نہیں کر سکتے۔

حضرت ابراہیم نے کہا، "اے رب قادرِ مطلق، مَیں کس طرح جانوں کہ اِس ملک پر قبضہ کروں گا ؟"

اللہ نے نہایت تحمل سے جواب دیا، "میرے حضور ایک تین سالہ گائے، ایک تین سالہ بکری اور ایک تین سالہ مینڈھا لے آ۔ ایک قمری اور ایک کبوتر کا بچہ بھی لے آنا۔"

حضرت ابراہیم سمجھ گئے کہ خدا مجھ سے کوئی عہد کرنے والا ہے۔ اُس زمانے میں معاہدہ کرنے والے خاص خاص جانور لے کر حاضر ہوتے۔ اِنھیں ذبح کر کے ٹکڑے کیا جاتا تھا اور زمین پر ترتیب سے دو قطاروں میں یوں رکھا جاتا تھا کہ درمیان میں سے تنگ سا راستہ رہے۔ تب

معاہدہ کرنے والے فریق اُس تنگ راستے پر اُن جانوروں کے ٹکڑوں میں سے گزرتے تھے۔ اِس طرح وہ عہد کی تصدیق کرتے تھے۔ جانوروں کے ٹکڑے اُنہیں یاد دلاتے تھے کہ اگر وہ اپنے عہد پر کاربند نہ رہے تو اُن کا بھی وہی حال ہو گا جو جانوروں کا ہوا۔

غرض حضرت ابراہیم نے ایسا ہی کیا اور پھر ہر ایک جانور کو دو حصوں میں کاٹ کر اُن کو ایک دوسرے کے آمنے سامنے رکھ دیا۔ لیکن پرندوں کو اُس نے سالم رہنے دیا۔ پھر وہ اِنتظار کرنے لگے۔ انتظار کرتے کرتے وہ تھک گئے، پھر بھی اللہ ظاہر نہ ہوا۔ اُدھر گوشت کی بُو سے گدھ سر پر منڈلانے لگے اور پھر رفتہ رفتہ قریب سے قریب تر ہوتے گئے۔ حضرت ابراہیم بڑی کوشش سے اُن کو متواتر ہنکاتے رہے۔ لگ رہا تھا کہ یہ شکاری پرندے کسی بدشگونی کی علامت ہیں۔ وہ سوچنے لگے کہ اِس ساری کارروائی سے خدا مجھے کیا سبق سکھانا چاہتا ہے؟

اب سورج غروب ہونے لگا اور اللہ کا بندہ ساری کاوش سے تھک کر گہری نیند سو گیا۔ لیکن یہ نیند تر و تازگی بخشنے والی نیند نہ تھی۔ خواب میں اُنہوں نے اپنے اردگرد ہولناک تاریکی اور مستقبل کے خوف ناک ایام کا

منظر دیکھا۔ وہ سہم گئے۔ کیا تاریکی کی کوئی طاقت خدا سے بھی زیادہ زور آور ہو سکتی ہے؟ کیا یہ تاریکی مجھے ختم کر کے ہی دم لے گی؟ ہائے اِس قدر گھٹاٹوپ اندھیرا!

تب یکایک اللہ کی آواز پہنچی جس سے اُنہیں یک دم تسلی ہو گئی۔ اللہ نے فرمایا، "جان لے کہ تیری اولاد ایسے ملک میں رہے گی جو اُس کا نہیں ہو گا۔ وہاں وہ اجنبی اور غلام ہو گی، اور اُس پر 400 سال تک بہت ظلم کیا جائے گا۔ لیکن مَیں اُس قوم کی عدالت کروں گا جس نے اُسے غلام بنایا ہو گا۔ اِس کے بعد وہ بڑی دولت پا کر اُس ملک سے نکلیں گے۔ تُو خود عمر رسیدہ ہو کر سلامتی کے ساتھ انتقال کر کے اپنے باپ دادا سے جا ملے گا اور دفنایا جائے گا۔ تیری اولاد کی چوتھی پشت غیروطن سے واپس آئے گی، کیونکہ اُس وقت تک مَیں اموریوں کو برداشت کروں گا۔ لیکن آخرکار اُن کے گناہ اِتنے سنگین ہو جائیں گے کہ مَیں اُنہیں ملکِ کنعان سے نکال دوں گا۔"

اب ابراہیم نے جان لیا کہ خدائے قادر سب حالات پر حاوی ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ بے شک میری نسل مستقبل میں نہایت المناک

حالات سے دوچار ہو گی۔ لیکن اللہ حال ہی میں اُن ناخوشگوار حالات کو جانتا ہے۔ گو یہ ایام نہایت بُرے ہوں گے، لیکن دراصل حالات ہر وقت اُس کے قابو اور اِختیار میں ہوں گے۔ ہاں تکلیف کا یہ سارا وقت اُن کی بہتری اور بہبودی کے لئے ہو گا۔

اب آفتاب پوری طرح غروب ہو چکا تھا اور شب کی سیاہی پھیل رہی تھی۔ تب حضرت ابراہیم چونک کر جاگے۔ اُن کا دل بوجھل اور دماغ پریشان تھا۔ وہ سوچنے لگے کہ مَیں رات کے اندھیرے میں یہاں آ کر کیا کر رہا ہوں؟ تب یکایک اُنہیں یاد آیا کہ مَیں معاہدے کے لئے تیار ذبح کردہ جانوروں کے پاس ٹھہرا ہوا ہوں۔

دُنیا پر ہُو کا عالم طاری تھا۔ ہر طرف گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ کسی پتے تک کے ہلنے کی آواز نہ تھی نہ کسی پرندے کے پَر مارنے کا ہلکا سا بھی شور۔ حضرت ابراہیم کے تن بدن پر لرزہ طاری ہو گیا۔ عین اُس وقت شب کی سیاہی میں ایک پُراَسرار جلتی ہوئی مشعل آہستہ آہستہ پُروقار انداز میں گوشت کے ٹکڑوں کے درمیانی راستے سے گزری۔

گزرتے وقت آواز آئی، "مَیں یہ ملک مصر کی سرحد سے فرات تک تیری اولاد کو دوں گا۔"

باغِ عدن سے نکالے جانے کے بعد انسان نے آج پھر پہلی مرتبہ مشعل کی صورت میں خدا کے جلال کا ظہور دیکھا۔ حضرت ابراہیم نے کانپتے ہوئے اللہ کے جلال کا مظارہ کیا۔ اُنہیں خدا کی قدوسیت کا شدید احساس ہوا جس کے مقابلے میں اُن کی اپنی ناراستی اور نااہلیت نمایاں نظر آئی۔

اللہ کے جلال اور نور کے ظہور سے اُن کو اِس کا گہرا احساس ہوا کہ مَیں خود اُس معیار پر پورا نہیں اُتر سکتا جو خدا نے میرے لئے مقرر کر رکھا ہے۔ معاہدے کی تصدیق کی خاطر خود اللہ اُن ٹکڑوں کے درمیان سے گزرا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ مَیں اور میری نسل اپنی طاقت سے اُس عہد پر کاربند نہ رہ سکے گی۔

اُنہوں نے مزید سوچا کہ میرا اِس معاہدے میں کیا حصہ ہے؟ میرا حصہ یہ ہو گا کہ مَیں اپنی زندگی کو کُلّی طور پر اللہ کے لئے مخصوص کر دوں۔ تاہم مَیں جانتا ہوں کہ مَیں اِس عہد کو نبھا نہ سکوں گا۔ کیا اللہ نے ابھی ابھی

یہ بات واضح نہ کی ہے؟ یقیناً گوشت کے ٹکڑوں کے درمیان سے خدا کی تجلی کا اکیلے گزرنا اِس کی دلیل ہے۔

پھر حضرت ابراہیم کے پریشان دل میں اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ اُنہیں سمجھ آئی کہ اللہ انسان کی لغزش سے واقف ہے۔ وہ خود اِس کو راست باز بنا کر اپنی حضوری میں کھڑا ہونے کے لائق بنا سکتا ہے۔

خدائے قدیر نے حضرت ابراہیم کی چشمِ بصیرت بینا کر دی تاکہ وہ صفائی سے دیکھ سکیں کہ ایک دن انسان کے گناہ مٹائے جائیں گے۔ اِس وقت مَیں گناہ سرزد ہونے پر جانور کی قربانی پیش کرتا ہوں جس کا خون میرے بدلے بہایا جاتا ہے۔ لیکن یہ انتظام صرف وقتی ہے، ہمیشہ کے لئے نہیں۔ آئندہ اللہ آسمان سے ایک کامل اور بےعیب لیلا بھیجے گا — حضور المسیح جو انسان کے گناہوں کے بدلے قربان ہو جائیں گے۔ انسان خدا کے ساتھ کئے ہوئے عہد پر کاربند نہیں رہ سکتا، اِس لئے المسیح کو ذبح کیا جائے گا۔

حضرت ابراہیم کا دل اُس بڑی نجات کے لئے جو خدا انسان کو مستقبل میں بخشش کے طور پر دینے والا تھا نہایت شادمان ہوا۔ اُن کا سر فرطِ تشکر اور عقیدت سے جھک گیا۔

حضرت ابراہیم اور اُن کی بیوی سارہ موعودہ وارث کا بے تابی سے اِنتظار کرتے رہے۔ لیکن وقت کی گردش مہینوں کو سالوں میں بدلتی چلی گئی اور اُن کی اُمید بر نہ آئی۔ یوں پانچ سال گزر گئے۔ آخر بی بی سارہ بالکل مایوس ہو گئیں۔ اُٹھتے بیٹھتے وہ اِسی مسئلے پر سوچ بچار کرنے لگیں۔ تب اُن کے ذہن میں ایک نیا خیال بیٹھ گیا۔ یہ کہ موعودہ فرزند کو حاصل کرنے کا ایک اَور بھی طریقہ ہے۔ میرے لئے تو یہ نہایت سخت تجربہ ہو گا، لیکن کیا کریں؟ اللہ تو بڑا سخت گیر ہے۔ وہ یہی چاہتا ہو گا کہ مَیں اپنے خاوند کے راستے سے ہٹ جاؤں تاکہ وہ دوسری شادی

کرکے صاحبِ اولاد ہوسکیں۔ آہ کاش مَیں خود اُس وارث کی ماں بن سکوں! لیکن چونکہ یہ ناممکن ہے اِس لئے مجھے اپنے خاوند کی دوسری شادی میں حائل نہیں ہونا چاہیئے۔

کئی دن تک اِس معاملے پرغور و خوض کرنے کے بعد بی بی سارہ نے اپنے مالک کی دوسری شادی کے بارے میں پکا فیصلہ کرلیا۔ ایک دن دل پر پتھر رکھ کر وہ اُن کے خیمے میں پہنچیں۔ اُدھر حضرت ابراہیم خود بھی حال ہی میں اِس معاملے پرغور کرتے رہے تھے۔ اللہ نے بہت دیر پہلے اُن سے پہلی بار بیٹے کا ذکر کیا تھا۔ اب دس برس گزر گئے تھے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ خدا کا قول اب تک پورا کیوں نہیں ہوا ؟ آخر بچے پالنے کا بھی ایک وقت اور ایک عمر ہوتی ہے۔ مَیں اب پچاسی برس کا ہوں اور سارہ 75 برس کی۔ آخر اللہ کا وعدہ پورا کیوں نہیں ہوتا ؟ غرض جب بی بی سارہ نے خود ہی اِس موضوع کو چھیڑا تو حضرت ابراہیم اِس پر بات چیت کرنے کو گویا تیار ہی بیٹھے تھے۔ اُن کی اہلیہ نے کہا، ”مَیں موعودہ وارث کے متعلق خوب غور کرتی رہی ہوں۔ اللہ نے آپ کو وارث

عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے، لیکن اِس کے ساتھ ہی اُس نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ میرے بطن سے نہیں ہو گا کیونکہ ... "

"پیاری سارہ،" اُنہوں نے قطع کلامی کی مگر بی بی سارہ اپنی ہی کہے جا رہی تھیں۔ اُنہوں نے اپنا ہاتھ مضبوطی سے اپنے مالک کے بازو پر رکھا اور بولیں، "نہیں نہیں، مجھے کہنے دیجئے۔ مجھے اپنی بات تو ختم کرنے دیں۔ یہ تو اَب صاف نظر آ رہا ہے کہ مَیں بانجھ ہوں، دائمی بانجھ ہوں۔ کیا اِس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کو دوسری شادی کے متعلق جیسا کہ مَیں نے پہلے کہا تھا غور کرنا چاہیئے؟ مَیں جانتی ہوں کہ آپ کو ایسا کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے، لیکن ذرا غور تو کیجئے کہ اگر اللہ کی یہ مرضی ہوتی کہ مَیں ماں بنوں تو وہ میرے اندرونی نظام کو مختلف نہ بناتا۔"

"یعنی تمہارا مطلب ہے کہ وارث کے وعدے کے معنی یہ نہیں کہ وہ وارث تمہارے بطن ہی سے ہو۔ لیکن سارہ مَیں پوچھتا ہوں کیوں، آخر کیوں؟"

"خیر یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ مَیں تو صرف اِتنا ہی جانتی ہوں کہ ہم انتظار میں پہلے ہی دس قیمتی سال ضائع کر چکے ہیں، ہمیں خدا داد عقل

کو استعمال کرنا چاہیئے۔ خدا را جلدی کیجئے ایسا نہ ہو کہ آپ کے لئے بھی وقت ہاتھ سے نکل جائے۔ ہم کب تک حقیقت سے چشم پوشی کرتے رہیں گے! کیا آپ خود بھی عمر رسیدہ نہیں ہو رہے؟ ہائے! اللہ کی راہوں کو کون جانتا ہے!" حضرت سارہ آج بڑی روانی سے کہے جا رہی تھیں۔

حضرت ابراہیم نے ہار مان لی اور آہ بھر کر بولے، "شاید تم ٹھیک ہی کہہ رہی ہو۔ مگر سارہ خواہ کچھ بھی ہو مَیں تم سے محبت کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا۔ تمہارے علاوہ مَیں کبھی کسی اَور سے اِتنی محبت نہیں کرسکتا۔"

بی بی سارہ اُداسی سے مسکرا دیں۔ "آہ کاش مَیں اُس وارث کی خود ماں ہوتی!" لیکن اب ایسے جذبات کو ہَوا دینے کا موقع نہ تھا۔ اُس نے کہا، "مَیں اپنی مصری لونڈی بی بی ہاجرہ کو آپ کے نکاح میں دوں گی۔ مسوپتامیہ کے قوانین کی رُو سے اُس کے بچے میرے بن جائیں گے اور وہ خود پہلے کی طرح لونڈی ہی رہیں گی۔"

تب حضرت ابراہیم نے ہاں میں سر ہلا دیا حالانکہ اُنہیں اُسی وقت یہ خیال آ رہا تھا کہ یہ معاملہ اِتنا آسان نہیں جتنا بی بی سارہ اپنے بیان کی روانی سے ظاہر کر رہی ہیں۔ اُنہیں فوراً خدشہ ہونے لگا کہ مستقبل میں

ڈیرے کا سکون عورتوں کی بحث و تکرار سے فنا ہو جائے گا۔ اُنھوں نے اِس اہم معاملے کو اللہ کے سامنے کیوں پیش نہ کیا ؟ اُنھوں نے کیوں اپنی بیوی کے مشورے پر کان لگایا ؟ کیا اِس کا انجام بخیر ہو سکتا تھا ؟

بہر حال اسکیم تیار ہو چکی تھی، اور اُس پر عمل بھی ایک دم شروع کر دیا گیا۔ لیکن بی بی ہاجرہ کی شادی پر کوئی بینڈ باجے نہ بجائے گئے، کیونکہ وہ صرف لونڈی تھیں۔ اُن کی شادی پر شادیانے بجانا اُس وقت کے دستور کے موافق مناسب نہیں تھا۔ اُن کی حیثیت حضرت سارہ جیسی منکوحہ بیوی کی نہیں ہوسکتی تھی۔ بی بی ہاجرہ کو ساری صورتِ حال سمجھا دی گئی تھی۔ گو اُن کے لئے یہ قابلِ قبول نہیں تھی تو بھی لونڈی کی حیثیت سے اُنھیں سرِ تسلیم خم کرنا پڑا۔ اُن کے اندر خاموش احتجاج اور تلخی کا عجیب و غریب تلاطم موجزن ہوا۔ کیا عجب کہ یہ مصری لونڈی جو پہلے نرم دل اور مہربان ہوا کرتی تھیں اب اپنی مالکن کو اکثر سختی اور تلخی سے جواب دینے لگیں۔ اب وہ حضرت سارہ کو دُکھ پہنچانا چاہتی تھیں، کیونکہ بی بی سارہ اُنھیں حضرت ابراہیم کی بیوی تسلیم کرنے کو تیار نہ

تھیں۔ وہ اب تک یہی دعویٰ کرتی تھیں کہ حضرت ابراہیم صرف اُن کے ہی خاوند ہیں، کسی اَور کے نہیں۔

عورتوں کے ڈیرے میں جہاں حضرت سارہ اپنی مختلف لونڈیوں کے ساتھ قیام کرتی تھیں بی بی ہاجرہ اکثر شب کی تاریکیوں میں آنسو بہا کر اپنے دل کا غبار نکالتیں۔ وہ سوچتیں کہ "کیا کوئی یہ نہیں جان سکتا کہ میرا دل بھی پیار کے لئے ترستا ہے؟ کیا مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ مَیں بھی پیار کرنے والے خاوند کی بیوی ہوں؟ خاندان کے سردار کی بیوی ہونے کی حیثیت سے کیا مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ لوگ مجھے عزت کی نگاہ سے دیکھیں؟ آخر ایسا کیوں نہیں؟ صرف اِس لئے کہ مَیں لونڈی ہوں، لیکن ایسی لونڈی جس سے لوگ سردار ابراہیم کے وارث کی توقع کرتے ہیں۔" اپنی سوچ کے دھارے کے اِس موڑ پر پہنچ کر اُنہوں نے اپنے ہونٹ بھینچ لئے اور اپنے آپ سے بولیں، "لیکن مَیں اپنے بچے کو آسانی سے ہاتھ سے جانے نہ دوں گی۔ آخر مجھے بھی اپنے بچے کے پاس رہنے اور اُسے پیار کرنے کا حق ہے۔"

جلد ہی بی بی ہاجرہ کو معلوم ہوا کہ وہ اُمید سے ہیں۔ پہلے پہل تو وہ زیادہ فکرمند ہوئیں اور سوچنے لگیں کہ "کیا میری مالکن مجھ سے توقع کریں گی کہ مَیں چپ چاپ بچے کو اُن کی گود میں ڈال دوں اور خود بھول جاؤں کہ مَیں ہاجرہ اُس کی ماں ہوں؟" لیکن افسوس لونڈی ہونے کی وجہ سے وہ انصاف کے در پر دستک نہیں دے سکتی تھیں۔ اُن کی پوزیشن بڑی عجیب تھی۔ وہ جائز بیوی کہلائے بغیر بچے کی ماں بننے والی تھیں۔

غرض اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اُنہیں اِسی قسم کے خیالات ستاتے رہتے۔ ایک رات اُن کی آنکھیں پھر سے اندھیرے میں خلا کو گھورنے لگیں تو اُنہوں نے عزم کر لیا کہ "مَیں بی بی سارہ پر ظاہر کر دوں گی کہ مَیں لکڑی یا پتھر کا بت نہیں بلکہ گوشت پوست کی، دھڑکتے دل والی عورت ہوں۔ مَیں اُن پر واضح کر دوں گی کہ بچے کے متعلق کسی وہم میں نہ رہیں۔ مَیں اُسے کبھی اپنے آپ سے جدا نہ ہونے دوں گی۔" تب اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں کا طوفان دوبارہ بہہ نکلا۔ دل ہی دل میں وہ پکار اُٹھیں، "کیا کسی کو میری پروا نہیں؟ کیا کسی کو میری خستہ حالی

کی خبر نہیں؟ کیا مَیں ہمیشہ تنہا اور دُکھیاری ہی رہوں گی۔ کہاں ہے وہ خدا جس کا میرے آقا اپنے گھرانے کے سامنے پرچار کیا کرتے ہیں؟ کیا وہ میری سن سکتا ہے؟ کیا وہ یہاں موجود ہے؟ لیکن اُس کو کیا پڑی کہ ایک لونڈی کے حال میں دل چسپی لے؟ ورنہ مجھے اِس کا علم ہوتا اور اُس کی حضوری کو محسوس کرتی۔"

اِنتہائی بے بسی اور تلخی کے عالَم میں بی بی ہاجرہ نے تہیہ کر لیا کہ "مَیں اپنے حقوق کے لئے لڑوں گی۔ کیا بانجھ پن خدا کی طرف سے لعنت کی دلیل نہیں؟ اور دیکھو اللّٰہ نے مجھے کتنی جلدی بچے کی برکت عطا کر دی ہے۔ کیا مَیں اپنے آقا کے لئے زیادہ مفید اور بہتر بیوی نہیں ہوں؟ اور کون جانے میرے ہاں لڑکا ہونے پر میرا مالک مجھے اصلی بیوی بنا لے۔" اب چونکہ بچے کے آثار ہر آنکھ کو نظر آ رہے تھے اِس لئے وہ تھپ تھپ کر کے چلتے پھرتے اپنے آقا کے بچے کے بارے میں باتیں کرتیں جو اُن کے دل کے پاس تشکیل پا رہا تھا۔

چونکہ یہ حضرت ابراہیم کے بچے کا معاملہ تھا جو اُن کا محبوب لیڈر تھا اِس لئے قبیلے کے لوگ بی بی ہاجرہ کی بابت بہت خوش ہوئے۔ اُن

کے ساتھ اُن کے رویے میں تبدیلی ایک قدرتی بات تھی۔ وہ سب اپنے اپنے طور پر اُن کا خیال رکھنے لگے۔ بعض اُنھیں بھاری بوجھ اُٹھانے سے منع کرتے، بعض عورتیں اُنھیں زیادہ محنت کا کام کرنے سے روک دیتیں۔ اِس طرح قبیلے کے افراد کی حمایت اور ہمدردی سے بی بی ہاجرہ کی خوب حوصلہ افزائی ہونے لگی۔ حالات نے اُنھیں تلخ مزاج تو بنا ہی دیا تھا، اب غرور بھی اُن کے سر میں سما گیا، جس کی جھلک دیکھ کر حضرت سارہ فکرمند ہوگئیں۔

لیکن اصلی فتنہ تو اُس دن رُونما ہوا جس دن بی بی ہاجرہ نے سارہ اپنی مالکن کا حکم ماننے سے دو ٹوک انکار کر دیا۔ پھر ایک دن کسی بات پر بی بی ہاجرہ نے اُنھیں خوب جلی کٹی سنائیں اور بانجھ ہونے کا طعنہ بھی دیا۔ یہ بھی سنا دیا کہ اب مَیں اپنی مالکن سے افضل ہوں۔ تن بدن کو آگ لگانے کو تو بانجھ پن کا طعنہ ہی کافی تھا، لیکن جب اُنھوں نے بیوی کی حیثیت سے بھی اپنی فضیلت کا دعویٰ کیا تو گویا جلتی پر تیل ڈال دیا۔ یہ سن کر حضرت سارہ طیش میں آ گئیں اور اچھا خاصا فساد برپا ہوگیا۔

ممکن ہے کہ اِس کے بعد بی بی ہاجرہ کو خیال آیا ہو کہ مَیں نے زیادتی کی ہے۔ مگر اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ بی بی سارہ غصے سے لال پیلی ہو کر سیدھی حضرت ابراہیم سے ملنے کے لئے خیمے سے نکلیں۔ راستے میں اُنہوں نے سوچا کہ اِس خادمہ کی یہ مجال کہ میری بے عزتی کرے! یہ سب میرے مالک کا کِیا دھرا ہے۔ اُنہوں نے ہی اُس کو اِتنی آزادی دے رکھی ہے۔ وہ حضرت ابراہیم کو دیکھتے ہی بولیں: "یہ سب آپ ہی کا قصور ہے۔ مَیں نے خود اُس لڑکی ہاجرہ کو آپ کے حوالے کیا تھا اور اب جبکہ وہ اُمید سے ہے تو مَیں اُس کی نظروں میں حقیر ہو گئی ہوں۔ مَیں یہ ذلت برداشت نہیں کر سکتی۔ مجھ پر ظلم ہوا ہے اور خدا ہی اِس کا انصاف کرے گا۔"

حضرت ابراہیم نے اِس سے پہلے کبھی اپنی بیوی کو اِس قدر طیش میں نہ دیکھا تھا۔ آخری فقرہ سن کر وہ ہکا بکا رہ گئے۔ "یہ تو سب کچھ سارہ کی اپنی تجویز اور منصوبے کے مطابق ہوا ہے اور اب جبکہ اِس کا فرق نتیجہ نکلا ہے تو وہ سارا الزام مجھ ہی پر دھرنے لگی ہیں۔" ساتھ ساتھ وہ یہ بھی پہچان گئے کہ اِس وقت بیوی کا دل زخمی ہرنی کی مانند مجروح ہے۔ لٰہذا

وہ اپنے غصے کو پوری طرح قابو میں رکھ کر بڑے صبر و تحمل سے بولے، "دیکھو، یہ تمہاری لونڈی ہے اور تمہارے اختیار میں ہے۔ جو تمہارا جی چاہے اُس کے ساتھ کرو۔"

سیدھی سی بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیم اُسی وقت بی بی ہاجرہ سے بات کر کے اپنے خاندان سے ناچاقی کو دُور کر سکتے تھے۔ لیکن اِس مرتبہ اُنہوں نے اپنی ذمہ داری سے گریز کیا۔ نہ معلوم کہ آیا اُنہیں بی بی ہاجرہ کو ڈانٹ ڈپٹ کرنا مشکل معلوم ہو رہا تھا یا اُن کا مقصد بی بی سارہ کو خوش کرنا تھا۔ بہر حال اُنہوں نے اپنی بیوی کو اجازت دے دی کہ وہ جس طرح جی چاہے بی بی ہاجرہ کے ساتھ کریں۔

حضرت سارہ خوش ہوئیں کہ بی بی ہاجرہ کو میرے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ وہ اِتنی خفا تھیں کہ اُنہوں نے اِس حقیقت کو بھی نظر انداز کر دیا کہ بی بی ہاجرہ ماں بننے والی ہیں۔ توریت شریف ہمیں نہیں بتاتی کہ اُنہوں نے اُن سے کس طرح برتاؤ کیا، لیکن اِتنا ضرور ہے کہ اُن کے سلوک میں اِس قدر سختی آ گئی کہ حالات ناقابلِ برداشت ہو گئے۔ نتیجے میں ہاجرہ بی بی دہشت زدہ اور بیزار ہو کر ڈیرے سے بھاگ نکلیں۔

وہ تن تنہا قافلوں کی اُس شاہراہ پر چل پڑیں جو مصر کو جاتی ہے۔ کیا اُن کے دل میں یہ گمان تھا کہ حضرت ابراہیم اُن کا تعاقب کر کے اُنہیں منوا کر عزت کے ساتھ واپس لے جائیں گے؟ آخر وہ اُن کے بچے کی ماں بننے والی تھیں۔ لیکن جلد ہی یہ اُمید جاتی رہی۔ چونکہ وہ اپنے ہمراہ کھانے پینے کو بھی کچھ نہ لائی تھیں اِس لئے بھوک اور پیاس نے اُن کی پریشانی اور خستہ حالی میں اَور اضافہ کر دیا۔ تپتے صحرا میں مارے مارے پھرنے کے بعد وہ تھک ہار کر ایک چشمے کے پاس بیٹھ گئیں۔ اُن کا جسم اور روح دونوں پژمردہ تھے۔ چل چل کر اُن کے پاؤں شل ہو گئے تھے اور اُن کا دُکھی دل کسی کو اپنی رُوداد سنانے کے لئے بے قرار تھا۔ وہ مایوسی کے عالَم میں بیٹھی سوچنے لگیں کہ مَیں کہاں جاؤں؟ ہائے مَیں کہاں جاؤں؟

عین اُسی لمحے وہ ایک فرشتے کی آواز کو سن کر چونک گئیں۔ الفاظ صاف اور صریح تھے، "سارہ کی لونڈی ہاجرہ، تُو کہاں سے آ رہی ہے اور کہاں جا رہی ہے؟"

بی بی ہاجرہ کا دل یہ سوچ کر بَلیوں اُچھلنے لگا کہ اللہ میرا نام جانتا ہے! اُسے میرے معاملے سے دل چسپی ہے۔ اللہ کے کرم سے اُنہیں بولنے کی جرأت ہوئی۔ اُنہوں نے جواب دیا، ”مَیں اپنی مالکن سارہ سے فرار ہو رہی ہوں۔“

بی بی ہاجرہ کی تمام تر بے بسی اور بےکسی اِسی ایک فقرے میں بند تھی، یعنی یہ کہ مَیں نہیں جانتی کہ کہاں جا رہی ہوں۔ مَیں صرف اِتنا جانتی ہوں کہ مجھے اپنی بی بی سے دُور بھاگ جانا چاہئے۔

تب رب کے فرشتے نے اُن سے شفقت سے کہا، ”اپنی مالکن کے پاس واپس چلی جا اور اُس کے تابع رہ۔ مَیں تیری اولاد اِتنی بڑھاؤں گا کہ اُسے گنا نہیں جا سکے گا۔ تُو اُمید سے ہے۔ ایک بیٹا پیدا ہو گا۔ اُس کا نام اسمٰعیل یعنی 'اللہ سنتا ہے' رکھ، کیونکہ رب نے مصیبت میں تیری آواز سنی۔ وہ جنگلی گدھے کی مانند ہو گا۔ اُس کا ہاتھ ہر ایک کے خلاف اور ہر ایک کا ہاتھ اُس کے خلاف ہو گا۔ تو بھی وہ اپنے تمام بھائیوں کے سامنے آباد رہے گا۔“

فرشتے کے چلے جانے کے بعد بی بی ہاجرہ کچھ دیر خاموش زمین پر بیٹھی رہیں۔ اُن کا دل خوشی کے ترانے گانے لگا۔ اُنہوں نے اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ جان لیا کہ خدائے مہربان نے میری ہر آہ سن لی ہے۔ اُس نے میرے آنسوؤں کو دیکھا ہے۔ یہ کتنی بڑی بات ہے کہ اللہ نہ صرف میرے حال سے واقف ہے بلکہ میرا حال پوچھنے والا بھی ہے۔ اب مَیں ڈیرے میں واپس جا کر ہر سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوں، کیونکہ مجھے رب کی حمایت حاصل ہے۔ اِس حقیقت کو جان کر اُنہیں بے پایاں مسرت حاصل ہوئی۔ اب تو وہ اپنی مالکن کے ساتھ اپنے رویے پر ندامت بھی محسوس کرنے لگیں۔

چنانچہ بی بی ہاجرہ دوبارہ اپنے آقا کے ڈیرے میں واپس آ گئیں۔ دن گزرتے گئے۔ وقت پورا ہونے پر اللہ نے اُنہیں بچہ عطا کیا جس کا نام اسمٰعیل رکھا گیا۔ عمر رسیدہ حضرت ابراہیم کو بہت خوشی ہوئی۔ لیکن اِس خوشی میں ایک خلش بھی موجود تھی، کیونکہ اُنہیں معلوم ہو چکا تھا کہ بی بی ہاجرہ کو اپنی زوجیت میں لے کر مَیں نے اپنی من مانی کی ہے۔ اب میرے گھر میں ناچاقی پیدا ہو گئی ہے اور خدا کا کلام مجھ پر نازل نہیں

ہو رہا۔ اُن کے جگر میں یہ خلش کانٹے کی طرح چبھتی رہی، کیونکہ بی بی ہاجرہ کا سارا معاملہ اللہ کے نظام کے مطابق نہ تھا بلکہ اللہ پر اُن کی بے اعتقادی کا منہ بولتا اظہار تھا۔

حضرت بی بی سارہ بھی خاموشی سے اپنی خطا کا بُرا نتیجہ بھگتتی رہیں۔ لیکن بی بی ہاجرہ سے نفرت کی چنگاری اُن کے دل میں پہلے کی طرح سلگتی رہی۔ اُسے بجھانا اُن کے بس کا روگ نہ تھا۔ عورتوں کے ڈیرے سے امن چین غائب ہو چکا تھا۔

اِس دوران حضرت اسمٰعیل بڑھ کر ایک شکیل و جمیل لڑکا بنتے گئے۔ لوگ اُنہیں حضرت ابراہیم کا وارث تسلیم کرتے تھے۔ گورخر کا سا آزادانہ مزاج جلد ہی اُن کی حرکتوں سے ظاہر ہونے لگا۔ تاہم بوڑھے حضرت ابراہیم کا دل اُن کے لئے نرم رہتا تھا۔ آخر وہ اُن کے بیٹے تھے۔ لیکن جب وہ اُن کی جلد باز اور تندخو عادات کو دیکھتے تو خوف زدہ ہو کر اللہ سے التجا کرتے کہ بیٹے کو خطرے اور حادثے سے بچائے رکھ۔

اُس وقت اُن کا دل خدا کی رفاقت کے لئے بے قرار رہتا تھا۔ بار بار وہ سوچتے کہ کاش اللہ کے ساتھ میری پہلی سی رفاقت دوبارہ بحال

ہو جائے۔ مَیں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی پاک رفاقت سے قطعی محروم پاتا ہوں۔ ایام کتنے خالی خالی ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ ہمیشہ کے لئے مجھ سے دُور ہو گیا ہے۔

اِس کڑے تجربے کے ذریعے اللہ نے اپنے خادم پر ظاہر کیا کہ زندگی کے کسی اہم موڑ پر خدا کو نظرانداز کر دینا کتنی بڑی بے وقوفی ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ حضرت ابراہیم ہر وقت اُس کی مرضی تلاش کریں، کہ وہ اپنی پوری زندگی اللہ کے لئے وقف کر دیں۔ یہ ایک کڑا اور سخت سبق تھا جسے سیکھنے میں حضرت ابراہیم کو پورے پندرہ سال گزارنے پڑے۔

حضرت ابراہیم کو اللہ کی آواز سنے اب تقریباً پندرہ سال ہو چکے تھے۔ روحانی قحط سالی کے اِس دَور میں وہ اپنی زندگی کا خوب تجزیہ کرنے لگے۔ تب اُنہیں محسوس ہوا کہ گزشتہ سالوں میں خدائے قادر پر میرا توکل اور ایمان کامل نہیں بلکہ جزوی رہا ہے۔ اُنہیں یہ دَور پے در پے کوتاہیوں کا دَور نظر آیا، ایسی کوتاہیاں جو اُن کی کم اعتقادی کی وجہ سے سرزد ہوئی تھیں۔ اُنہیں وہ وقت یاد آیا جب ملک میں اناج کی قلت کا امکان تھا ۔ اُس وقت اُنھوں نے اللہ کی رضا دریافت کرنے کے بجائے اپنی مرضی سے ہی مصر کا رُخ کیا تھا۔ جو کچھ وہاں پیش آیا تھا

اُس کی یاد اُنہیں آج بھی تکلیف دیتی تھی۔ اِسی طرح اُنہوں نے بی بی ہاجرہ کے معاملے میں بھی خدا کی مرضی دریافت نہیں کی تھی۔ بی بی ہاجرہ کو اپنی زوجیت میں لانے سے کتنے مسائل پیدا ہوئے تھے۔ اب وہ بیٹھے بڑے دُکھ سے یہ سوچ رہے تھے کہ "اگر اللہ نے مجھ سے منہ موڑ لیا ہے تو وہ ایسا کرنے میں حق بجانب ہے۔ مَیں یقیناً اِس کا حق دار ہوں۔" اُن کا دل اپنی سب خطاؤں پر شرم سار تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ اللہ کے ساتھ دوبارہ رابطہ قائم کرنے کے لئے بے حد بے قرار تھے۔

آخر کار خدائے رحیم و غفار جو ہماری خطاؤں کے مطابق ہم سے سلوک نہیں کرتا اُن پر نئے سرے سے مہربان ہو کر اُن سے ہم کلام ہوا۔ اُس وقت اُن کی عمر 99 برس کی تھی۔ اللہ نے فرمایا، "مَیں اللہ قادرِ مطلق ہوں۔ میرے حضور چلتا رہ اور بے الزام ہو۔ مَیں تیرے ساتھ اپنا عہد باندھوں گا اور تیری اولاد کو بہت ہی زیادہ بڑھا دوں گا۔"

حضرت ابراہیم فرطِ عقیدت سے سرنگوں ہو گئے تو اللہ نے مزید فرمایا، "میرا تیرے ساتھ عہد ہے کہ تُو بہت قوموں کا باپ ہو گا۔ اب سے تُو ابرام یعنی 'عظیم باپ' نہیں کہلائے گا بلکہ تیرا نام ابراہیم یعنی 'بہت

قوموں کا باپ' ہو گا۔ کیونکہ مَیں نے تجھے بہت قوموں کا باپ بنا دیا ہے۔ مَیں تجھے بہت ہی زیادہ اولاد بخش دوں گا، اِتنی کہ قومیں بنیں گی۔ تجھ سے بادشاہ بھی نکلیں گے۔"

پندرہ سال کی طویل مدت کے بعد اللہ کا ہم کلام ہونا حضرت ابراہیم کے لئے بے پایاں مسرت کا باعث بنا۔ پیشانی کی تیوری یکایک کِھلتی ہوئی مسکراہٹ میں بدل گئی۔ اُن کی چال ڈھال میں اِنقلاب آ گیا اور اُن کا قدم پُرعزم معلوم ہونے لگا۔ یہ تبدیلی اِس قدر نمایاں تھی کہ ڈیرے کے سب رہنے والوں نے اِس کو ایک دم محسوس کیا۔ وہ سب اپنے قبیلے کے سردار کو پُراُمید اور پُرمسرت دیکھ کر دل ہی دل میں خوش ہوئے۔ اُن دنوں میں حضرت ابراہیم اپنے آقا کی شفقت اور رحمت سے کتنے مسرور اور ممنون رہتے تھے۔

ایک دن حضرت ابراہیم اپنے خیمے کے دروازے پر بیٹھے تھے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ سورج کی تابناک شعاعیں فضا میں تانا بانا بُن رہی تھیں، اور شاہ بلوط کے جھنڈ تلے خیموں کی بستی آج غیر معمولی طور پر خاموش اور پُرسکون نظر آ رہی تھی۔ گرمی کی وجہ سے بہت سے کام کرنے والوں کی

رفتار سُست پڑ گئی تھی جب کہ دیگر بہت سے اپنا کام چھوڑ کر تھوڑی دیر کے لئے ستانے چلے گئے تھے۔

لیکن حضرت ابراہیم کو سُستی یا غنودگی کا کوئی احساس نہیں ہو رہا تھا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ "رب کتنا مہربان ہے کہ اُس نے 15 سال بعد اپنے بندے کو یاد فرمایا ہے۔ اُس نے میری خطاؤں کے لئے مجھے ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی بلکہ اُس کا ہر فقرہ حوصلہ افزا تھا۔ ہاں، اُس نے اِسی لئے اِتنے عرصے تک مجھ سے کلام نہیں کیا تاکہ مَیں اپنی روحانی زندگی کا جائزہ لے سکوں۔ اپنے آپ کو بہتر طور پر جان جاؤں۔" اب وہ پہچان گئے تھے کہ پہلے مَیں پورے طور پر اللہ کی طرف مائل نہ تھا۔ گو مَیں خدا پر ایمان رکھتا تھا تاہم اپنے معاملات کو طے کرنے کے لئے اپنی سمجھ بوجھ پر ہی تکیہ کرتا تھا۔ لیکن اللہ چاہتا ہے کہ مَیں اُس پر پورا بھروسا رکھوں۔

اللہ کتنا رحیم ہے! اُس نے میری بیوی کو بھی فراموش نہیں کیا بلکہ فرمایا، "اپنی بیوی سارئی کا نام بھی بدل دینا۔ اب سے اُس کا نام سارئی

نہیں بلکہ سارہ یعنی شہزادی ہو گا۔ مَیں اُسے برکت بخشوں گا اور تجھے اُس کی معرفت بیٹا دوں گا۔"

حضرت ابراہیم اب تک حیران تھے کہ خدا نے مجھے سارہ ہی کے بطن سے بیٹا بخشنے کا وعدہ کیا ہے۔ اُس نے ہمارے لئے کتنی بڑی منصوبہ بندی کر رکھی ہے۔ اِس کی یاد دلانے کے لئے اُس نے ہمیں نئے نام بھی دیئے ہیں۔ اب سے میرا نام ابرام نہیں بلکہ ابراہیم ہو گا جس کا مطلب 'بہت قوموں کا باپ' ہے جبکہ بیوی کا نام سارئی نہیں بلکہ سارہ ہو گا جس کا مطلب 'شہزادی' ہے۔ شروع شروع میں تو ہم ایک دوسرے کو بھولے سے پرانے ناموں سے پکارتے رہیں گے، لیکن رفتہ رفتہ نئے نام بھی ہماری زبان پر چڑھ جائیں گے۔ خیر سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ ہمارا رشتہ اور رابطہ دوبارہ بحال ہو گیا ہے۔

پھر اُنہیں حضرت اسمٰعیل کا خیال آیا۔ "کاش کہ یہ لڑکا میرا وارث بنے! مگر یہ خدا کی مرضی نہیں ہے۔ خیر اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ حضرت اسمٰعیل بھی بڑے آدمی بنیں گے، کہ اُن کی نسل سے بارہ حکمران برپا

ہوں گے۔ تاہم جس بیٹے پر خدا اپنی خاص برکت نچھاور کرنے کو ہے وہ حضرت سارہ کے بطن سے پیدا ہونے والا ہے۔ اللّٰہ نے اُس کا نام تک خود ہی مقرر کیا ہے۔ اُس کا نام اسحاق ہو گا جس کے معنی ہیں، 'وہ ہنستا ہے۔' خدا حضرت اسحاق اور اُن ہی کی پشت سے عہد باندھے گا۔"

اللّٰہ نے حضرت ابراہیم کو حکم دیا تھا کہ وہ اِس عہد کی یاد میں اپنے گھرانے کے سب مردوں کا ختنہ کروائیں۔ تب حضرت ابراہیم نے 99 برس کی عمر میں اور حضرت اسمٰعیل نے 13 برس کی عمر میں اپنا اپنا ختنہ کروایا۔ اب سے ہر لڑکے کا پیدائش کے بعد آٹھویں دن ہی ختنہ کروانا تھا۔

یکایک حضرت ابراہیم کی سوچوں کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ وہ اپنے خیالوں میں اِس قدر غرق ہو گئے تھے کہ اُنہوں نے اپنی آنکھوں کے سامنے تین اجنبی مسافروں کو بھی آتے نہ دیکھا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا کہ وہ یک دم وہاں آ موجود ہوئے ہوں۔ حضرت ابراہیم فوراً ہی اپنی جگہ سے اُٹھے اور اُن کا خیر مقدم کرنے کو آگے بڑھے۔ وہ بولے،

”میرے آقا، اگر مجھ پر آپ کے کرم کی نظر ہے تو آگے نہ بڑھیں بلکہ کچھ دیر اپنے بندے کے گھر ٹھہریں۔ اگر اجازت ہو تو مَیں کچھ پانی لے آؤں تاکہ آپ اپنے پاؤں دھو کر درخت کے سائے میں آرام کرسکیں۔ ساتھ ساتھ مَیں آپ کے لئے تھوڑا بہت کھانا بھی لے آؤں تاکہ آپ تقویت پا کر آگے بڑھ سکیں۔“

اجنبی مسافر درخت کے سائے تلے بیٹھ گئے جبکہ حضرت ابراہیم خیمے کی طرف دوڑ کر سارہ کے پاس آئے اور کہا، ”جلدی کرو! 16 کلو گرام بہترین میدہ لے اور اُسے گوندھ کر روٹیاں بنا۔“

حضرت سارہ نے حیرت سے اپنے خاوند پر نظر ڈالی۔ نہ جانے کتنے لوگ مہمانوں کے ساتھ کھانا کھائیں گے۔ تین مہمانوں کے لئے اِتنی روٹیاں تو حد سے زیادہ ہیں۔ اِتنے میں حضرت ابراہیم اپنے گلّے میں پہنچ چکے تھے جہاں اُنہوں نے ایک موٹا تازہ بچھڑا چن لیا جس کا گوشت نرم تھا اور اُسے نوکر کو دے کر کہا، ”اِسے ذبح کر کے لذیذ قورمہ تیار کرو۔“ اِس کے بعد بھی وہ آرام سے نہ بیٹھے بلکہ کھانے کی تیاری میں ہر مرحلے پر نگرانی کرتے رہے۔ جب سب کچھ تیار ہو گیا تو اُنہوں نے دودھ،

دہی، روٹی اورگوشت کا سالن خود اپنے ہاتھ سے مہمانوں کی خدمت میں پیش کیا۔

معزز مہمان جب کھانا تناول فرما رہے تھے تو حضرت ابراہیم اُن کے پاس درخت کے نیچے اُن کی خدمت میں کھڑے رہے۔ اب اُن کی تیز نگاہیں اپنے مہمانوں کا جائزہ لینے لگیں۔ اُنھوں نے جلد ہی جان لیا کہ اُن میں سے ایک زیادہ با اِختیار اور اُن کا سردار معلوم ہوتا ہے۔ وہ سوچنے لگے کہ وہ کون ہو سکتا ہے؟ نہ جانے مَیں اُس کی طرف اِس قدر مائل کیوں ہوں؟ اچانک اُن کی آواز نے اُنھیں تخیل کی دُنیا سے حقیقت کی دُنیا میں لاکھڑا کیا۔

"تیری بیوی سارہ کہاں ہے؟" اُنھوں نے سوال کیا۔

بزرگ ابراہیم اِس سوال پر ہکا بکا رہ گئے۔ وہ میری بیوی کا نام کیونکر جانتے ہیں، حالانکہ وہ تو اُن کی نظروں سے اوجھل کام کر رہی ہے؟ حضرت ابراہیم اُنھیں حیرانی سے دیکھتے ہوئے بولے، "وہ خیمے میں ہے۔"

تینوں میں سے جو سردار معلوم ہوتا تھا بلند آواز سے بولا، ”عین ایک سال کے بعد مَیں واپس آؤں گا تو تیری بیوی سارہ کے بیٹا ہو گا۔“

بہت سی متجسس عورتوں کی طرح حضرت سارہ مہمانوں کی باتیں خیمے کے پردے کے پیچھے سن رہی تھیں۔ وہ اجنبی مہمانوں کی یہ بات سن کر حیران رہ گئیں۔ پھر وہ اندر ہی اندر ہنس پڑیں اور اپنے آپ سے بولیں، ”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا جب مَیں بُڑھاپے کے باعث گھسے پھٹے لباس کی مانند ہوں تو جوانی کے جوبن کا لطف اُٹھاؤں؟ اور میرا شوہر بھی بوڑھا ہے۔“

لیکن اگلے ہی لمحے اُن کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ بولنے والے کی آواز صاف سنائی دی، ”سارہ کیوں ہنس رہی ہے؟ وہ کیوں کہہ رہی ہے، ’کیا واقعی میرے ہاں بچہ پیدا ہو گا جبکہ مَیں اِتنی عمر رسیدہ ہوں؟‘ کیا رب کے لئے کوئی کام ناممکن ہے؟ ایک سال کے بعد مقررہ وقت پر مَیں واپس آؤں گا تو سارہ کے بیٹا ہو گا۔“

حضرت سارہ خیمے کے اندر حیرت سے بت بنی کھڑی رہیں۔ یہ کس قسم کا مہمان ہے جو دل کی سوچوں کو بھی جانتا ہے! ڈر کے مارے اُن

کے بدن پر رعشہ طاری ہوگیا اور وہ خیمے کے دروازے میں سے بولیں، "مَیں نہیں ہنس رہی تھی۔"

لیکن مہمانوں کے سردار نے کہا، "نہیں، تُو ضرور ہنس رہی تھی۔"

حضرت سارہ اپنی زندگی میں کبھی اِس قدر متاثر نہیں ہوئی تھیں۔ وہ سوچنے لگیں کہ یہ کون ہو سکتا ہے جو میرے ظاہر اور باطن دونوں ہی سے واقف ہے۔ صرف خدا ہی ظاہر اور باطن، عیاں اور نِہاں دونوں کو جان سکتا ہے۔ اور صرف خدا ہی ناممکن کو ممکن بنا کر معجزے کر سکتا ہے۔ زندگی میں پہلی مرتبہ حضرت سارہ اپنے سارے دل سے اللّٰہ پر ایمان رکھنے لگیں۔ اب وہ جان گئیں کہ اللّٰہ نے مجھے اِس لئے اِتنے عرصے تک بانجھ نہیں چھوڑا کہ مجھے دُکھ پہنچائے بلکہ اِس لئے کہ میرا ایمان پختہ ہو جائے۔ اب اُنہیں یقین ہوگیا کہ یہ خدا کی پاک رضا تھی کہ مجھے بڑھاپے میں فرزند عطا کرے۔ شاید اللّٰہ نے مجھے اِس سے پیشتر اِس لئے بیٹا نہیں بخشا کہ وہ چاہتا تھا کہ حضرت اسحاق کی ماں پورے دل سے خدا پر ایمان رکھے۔ اب تک مَیں اِس معیار پر پوری نہیں اُتری تھی۔

لیکن اب تینوں مسافر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت ابراہیم اُن کو رُخصت کرنے کے لئے تعظیماً اُن کے ساتھ ساتھ ہو لئے۔ کچھ قدم چلنے کے بعد وہ نیچے سدوم کی طرف دیکھنے لگے۔ یکایک وہ رُک گئے۔ مہمانوں کے سردار نے حضرت ابراہیم سے کہا، "مَیں ابراہیم سے وہ کام کیوں چھپائے رکھوں جو مَیں کرنے کے لئے جا رہا ہوں؟ اِسی سے تو ایک بڑی اور طاقت ور قوم نکلے گی اور اِسی سے مَیں دنیا کی تمام قوموں کو برکت دوں گا۔ اُسی کو مَیں نے چن لیا ہے تاکہ وہ اپنی اولاد اور اپنے بعد کے گھرانے کو حکم دے کہ وہ رب کی راہ پر چل کر راست اور منصفانہ کام کریں۔ کیونکہ اگر وہ ایسا کریں تو رب ابراہیم کے ساتھ اپنا وعدہ پورا کرے گا۔"

حضرت ابراہیم خوف زدہ ہو گئے۔ کیا رب اُسے اپنا رازدان بنانا چاہتا ہے؟ وہ بڑے ادب سے رب کی بات سننے لگے۔ رب نے فرمایا، "سدوم اور عمورہ کی بدی کے باعث لوگوں کی آہیں بلند ہو رہی ہیں، کیونکہ اُن سے بہت سنگین گناہ سرزد ہو رہے ہیں۔ مَیں اُتر کر اُن

کے پاس جا رہا ہوں تاکہ دیکھوں کہ یہ الزام واقعی سچ ہیں جو مجھ تک پہنچے ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو مَیں یہ جاننا چاہتا ہوں۔“

دوسرے دو آدمی سدوم کی طرف آگے نکلے جبکہ رب کچھ دیر کے لئے وہاں ٹھہرا رہا۔ حضرت ابراہیم اُس کے سامنے کھڑے رہے۔ اُس کی پاک حضوری میں اُن کا دل اُن شہروں کے بدبخت باشندوں کے لئے رحم سے بھر گیا۔ اچانک اُن کا درد اُن کا اپنا درد اور اُن کی پریشانی اُن کی ذاتی پریشانی بن گئی۔ اُنہیں یہ محسوس ہوا کہ رب خود مجھے اُن بدنصیبوں کی سفارش کرنے کی جرأت عطا کر رہا ہے۔ لہٰذا اُنہوں نے دلیری کے ساتھ رب سے کہا، ”کیا تُو راست بازوں کو بھی شریروں کے ساتھ تباہ کر دے گا ؟ ہو سکتا ہے کہ شہر میں 50 راست باز ہوں۔ کیا تُو پھر بھی شہر کو برباد کر دے گا اور اُسے اُن 50 کے سبب سے معاف نہیں کرے گا ؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تُو بےقصوروں کو شریروں کے ساتھ ہلاک کر دے؟ یہ تو ناممکن ہے کہ تُو نیک اور شریر لوگوں سے ایک جیسا سلوک کرے۔ کیا لازم نہیں کہ پوری دنیا کا منصف انصاف کرے؟“

رب نے جواب دیا، "اگر مجھے شہر میں 50 راست باز مل جائیں تو اُن کے سبب سے تمام کو معاف کر دوں گا۔"

تب حضرت ابراہیم نے پھر بولنے کی جرأت کی اور کہا، "مَیں معافی چاہتا ہوں کہ مَیں نے رب سے بات کرنے کی جرأت کی ہے اگرچہ مَیں خاک اور راکھ ہی ہوں۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ صرف 45 راست باز اُس میں ہوں۔ کیا تُو پھر بھی اُن پانچ لوگوں کی کمی کے سبب سے پورے شہر کو تباہ کرے گا ؟"

رب نے کہا، "اگر مجھے 45 بھی مل جائیں تو اُسے برباد نہیں کروں گا۔"

حضرت ابراہیم نے اپنی بات جاری رکھی، "اور اگر صرف 40 نیک لوگ ہوں تو؟"

"مَیں اُن 40 کے سبب سے اُنہیں چھوڑ دوں گا۔"

پھر حضرت ابراہیم نے کہا، "رب غصہ نہ کرے کہ مَیں ایک دفعہ اَور بات کروں۔ شاید وہاں صرف 30 ہوں۔"

رب نے جواب دیا، "پھر بھی اُنہیں چھوڑ دوں گا۔"

حضرت ابراہیم اب تک مطمئن نہ تھے۔ "مَیں معافی چاہتا ہوں کہ مَیں نے رب سے بات کرنے کی جرأت کی ہے۔ اگر صرف 20 پائے جائیں؟"

رب نے کہا، "مَیں 20 کے سبب سے شہر کو برباد کرنے سے باز رہوں گا۔"

حضرت ابراہیم نے ایک آخری دفعہ بات کی، "رب غصہ نہ کرے اگر مَیں ایک اَور بار بات کروں۔ شاید اُس میں صرف 10 پائے جائیں۔"

رب نے کہا، "مَیں اُسے اُن 10 لوگوں کے سبب سے بھی برباد نہیں کروں گا۔"

اِن باتوں کے بعد رب چلا گیا اور حضرت ابراہیم اپنے گھر کو لوٹ آئے۔

اہلِ سدوم کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ کوئی المیہ اُن کے شہر کے اُوپر منحوس گدھ کی طرح منڈلا رہا ہے۔ لہٰذا اُن میں سے بہت سے اپنے معمول کے مطابق آج شام بھی شہر کے پھاٹک پر بیٹھے مزے سے خوش گپیوں میں وقت گزار رہے تھے۔ شہر کا یہ پھاٹک ایک چوڑا اور محراب دار دروازہ تھا جس میں بیٹھنے کے لئے دونوں طرف نشستیں بنی ہوئی تھیں۔ صبح کے وقت شہر کے بزرگ اِن ہی نشستوں پر بیٹھ کر شہریوں کے جھگڑے نپٹاتے اور عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرتے تھے۔ کاروباری حضرات کے آپس کے معاہدے بھی اِسی جگہ

طے کیئے جاتے تھے۔ لیکن شام کے وقت اِس جگہ کا رنگ ہی کچھ اَور ہوتا تھا۔ تب یہ جگہ تفریحی گپ شپ کے لیئے استعمال کی جاتی تھی۔ جو تازہ ترین خبریں سننے کے شوقین ہوتے وہ سرِ شام ہی یہاں کا رُخ کرتے تھے۔ یوں پھاٹک پر اچھی خاصی رونق ہوتی تھی۔

اہلِ سدوم کس قسم کے لوگ تھے؟ سب کے سب تن آسان اور پرلے درجے کے عیاش تھے۔ شہر کا ہر گھرانا شہوت پرستی کی بدترین قسم کی بدکرداری میں ملوث تھا، حتیٰ کہ غیر فطری جرائم کا ارتکاب بھی کھلے بندوں ہوتا تھا۔ حرام کاری اور شہوت پرستی اِس شہر کا طرۂ اِمتیاز بن چکا تھا۔ حضرت ابراہیم کے بھتیجے حضرت لوط اِسی قسم کے شہر میں مقیم تھے۔

شام کو حضرت لوط بھی حسبِ معمول اپنی مخصوص نشست پر موجود تھے۔ دن کے وقت تو وہ اِسے بطورِ مجسٹریٹ استعمال کرتے جبکہ شام کو وہ اِسی جگہ بیٹھ کر سدومیوں کی رفاقت سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ اب وہ اُن کی ٹیڑھی میڑھی باتوں اور اخلاق سے گرے ہوئے ہنسی مذاق کے عادی ہو چکے تھے۔ بعض اوقات جب بات چیت میں اخلاقی گراوٹ حد سے زیادہ تجاوز کر جاتی تو وہ دبی زبان سے احتجاج کرنے

کی کوشش کرتے۔ لیکن وہ خوب جانتے تھے کہ پُرزور احتجاج کرنے کا مطلب اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنا ہو گا۔ حضرت لوط چونکہ اِس شہر کی تن آسان زندگی اور لوگوں میں اپنے بلند مقام کو پسند کرتے تھے اِس لئے وہ بہت سے اُمور کی طرف سے اپنی آنکھیں اور کان بند کر لیتے تھے تاکہ چین سے گزر بسر ہوتی رہے۔ وہ مصلحت پسند اور زمانہ ساز تھے۔ وہ شادی شدہ اور بچوں کے باپ بھی تھے۔ اُنہوں نے سدومیوں کے درمیان اپنے مقام کو مستحکم کرنے کے لئے اپنی دو بیٹیوں کی نسبت دو سدومی جوانوں سے ٹھہرا دی تھی۔ حضرت لوط رب کے احکام کو جانتے تو تھے مگر اُن کی پیروی صرف اُسی حد تک کرتے جس حد تک زندگی میں کوئی خلل نہ پڑتا ہو۔

اِس وقت وہ پھاٹک پر بیٹھے دوسرے شہریوں کے ساتھ ہلکی پھلکی باتیں کر رہے تھے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ دو اجنبی شہر میں داخل ہو رہے ہیں۔ سدومیوں نے بھی اُنہیں دیکھا بلکہ غور سے دیکھا، مگر کسی نے اُنہیں خوش آمدید کہنے کی زحمت گوارا نہ کی اور نہ کسی نے اُنہیں اپنے

ہاں آنے کی دعوت ہی دی۔ تاہم نہ جانے کیوں وہ اُنہیں گھور گھور کر دیکھ رہے تھے۔ کسی وجہ سے اُن کی موجودگی اہلِ سدوم کو ناگوار تھی۔

مہمانوں کے چہروں کی قدرتی آب و تاب پاک زندگی کی عکاسی کرتی تھی۔ حضرت لوط نے ایک دم بھانپ لیا کہ سدوم جیسے شہر کے لوگ اُن جیسے شریف النفس افراد کو امن سے نہ بیٹھنے دیں گے، لہٰذا ضرور اُن کا خیال رکھنا چاہیے۔ حضرت ابراہیم نے اُنہیں سکھایا تھا کہ اجنبیوں کی مہمان نوازی کرنا لازم ہے، اور وہ یہ سبق اب تک نہیں بھولے تھے۔ وہ کھڑے ہوئے اور آگے بڑھ کر مؤدبانہ بولے، "صاحبو، اپنے بندے کے گھر تشریف لائیں تاکہ اپنے پاؤں دھو کر رات کو ٹھہریں اور پھر کل صبح سویرے اُٹھ کر اپنا سفر جاری رکھیں۔"

درحقیقت یہ دو افراد فرشتے تھے جو انسان کے رُوپ میں حضرت ابراہیم سے ملاقات کے بعد رب سے پہلے سدوم چلے آئے تھے۔ پہلے تو اُنہوں نے انکار کیا اور بولے، "کوئی بات نہیں، ہم چوک میں رات گزاریں گے۔"

دراصل اِس انکار سے وہ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ حضرت لوط واقعی اُن کی میزبانی کرنا چاہتے ہیں یا یوں ہی رسمی طور پر کہہ رہے ہیں۔ حضرت لوط یہ سن کر نہایت گھبرا گئے اور بولے، ”جناب یہ شہر سارے ملک میں بدنام ہے۔ مَیں خود بھی رات کے وقت گھر سے باہر قدم رکھنے کی جرأت نہیں کرتا اور آپ اجنبی ہیں۔ مَیں آپ سے پُرزور درخواست کرتا ہوں کہ آپ بازار میں نہ ٹھہریں۔“

اُن کے اِصرار پر وہ اُن کے گھر چلے گئے۔ گھر کی خواتین کھانا تیار کرنے میں مصروف ہوگئیں، اور جلد ہی اُن کے سامنے پُرتکلف دسترخوان تیار ہوا۔ مہمان مشکل سے ابھی کھانا ختم ہی کرنے پائے تھے کہ گھر کے سامنے ہلچل سی مچ گئی۔ شہر کے بہت سے بوڑھے اور جوان مرد اُس کا محاصرہ کئے کھڑے تھے۔ وہ زور زور سے پکار کر بولے، ”وہ آدمی کہاں ہیں جو رات کے وقت تیرے پاس آئے؟ اُن کو باہر لے آ تاکہ ہم اُن کے ساتھ حرام کاری کریں۔“

حضرت لوط بڑی دلیری سے نکل کر اُن کے پاس دروازے پر آئے، لیکن باہر قدم رکھتے ہی اُنھوں نے اپنے پیچھے دروازے کی کُنڈی چڑھا

دی۔ ہجوم کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اُنھوں نے کہا، "میرے بھائیو، ایسا مت کرو، ایسی بدکاری نہ کرو۔ مہمانوں کے بھی کچھ حقوق ہوتے ہیں۔ ہمیں اُن حقوق کا احترام کرنا چاہیئے۔"

"راستہ چھوڑو، تم ہمیں بُرا بھلا سمجھانے والے کون ہوتے ہو!" ہجوم میں سے ایک نے قدم بڑھاتے ہوئے سینہ تان کر کہا۔

اُن کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر حضرت لوط نے جلدی سے کہا، "میری سنو! میری دو کنواری بیٹیاں ہیں۔ اُنھیں مَیں تمہارے پاس باہر لے آتا ہوں۔ پھر جو جی چاہے اُن کے ساتھ کرو۔ لیکن اِن آدمیوں کو چھوڑ دو، کیونکہ وہ میرے مہمان ہیں۔"

لیکن ہجوم اب پوری طرح مشتعل ہو چکا تھا۔ اُن میں سے ایک گرج کر بولا، "دیکھو، یہ شخص جب ہمارے پاس آیا تھا تو اجنبی تھا، اور اب یہ ہم پر حاکم بننا چاہتا ہے۔"

" اب تیرے ساتھ اُن سے زیادہ بُرا سلوک کریں گے۔" ایک اَور نے پُرزور لہجے میں اعلان کیا۔

اِتنا کہہ کر بعض حضرت لوط پر پل پڑے اور بعض دروازے کی طرف آگے بڑھے تاکہ کواڑ توڑ کر اندر داخل ہوں۔ حضرت لوط کو لگا کہ وہ نہ صرف مہمانوں کو بلکہ اپنے آپ کو بھی ہجوم کے ہاتھوں سے نہیں بچا سکیں گے۔ لیکن عین اُس وقت دروازہ جسے باہر سے بند کیا گیا تھا کھل گیا، اور مہمانوں نے اُنہیں پکڑ کر اندر کھینچ لیا۔ پھر اُنہوں نے دروازے کو اندر سے مضبوطی سے بند کر دیا۔ حضرت لوط ابھی تک اپنے حواس درست بھی نہ کرنے پائے تھے کہ اُنہیں احساس ہوا کہ دروازے کے سامنے کوئی نئی کھلبلی مچ گئی ہے۔ لوگ آپس میں ٹکرا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ دروازہ یکایک کہاں چلا گیا۔ دراصل مہمان فرشتوں نے حملہ آور مردوں کو خواہ بوڑھے خواہ جوان سب ہی کو اندھا کر دیا تھا۔ پھر اُنہوں نے اپنے آپ کو حضرت لوط پر ظاہر کیا اور آمد کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا، "سدوم کا شہر تباہ ہونے والا ہے۔ تم اپنے عزیز رشتے داروں کو لو اور ہمارے ساتھ شہر سے بھاگ نکلو۔"

یہ سن کر حضرت لوط اپنے دامادوں کے پاس گئے اور کہا، "جلدی کرو اور شہر سے باہر بھاگ نکلو۔ رب اِس شہر کو نیست و نابود کرنے والا

ہے۔" لیکن وہ اُن کی بات ماننے پر آمادہ نہ ہو سکے بلکہ جوں کے تُوں بیٹھے اُنہیں یوں تکنے لگے گویا اُن سے کہہ رہے ہوں کہ ہم کسی سر پھرے کی بات پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں۔ آخر جب حضرت لوط نے دیکھا کہ اُن کی بات کا اُن پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تو ناچار اُنہوں نے اپنے گھر کی راہ لی۔ راستے میں اُن کی نگاہ بہت سی مانوس جگہوں پر پڑی تو اُن سے منسوب یادیں اُن کے دماغ میں اُبھر آئیں۔ اُنہیں اِن جگہوں سے کتنی محبت تھی! اب اِن پر نظر ڈالتے ہوئے شہر کو ترک کرنے کی نیت ڈانواں ڈول ہو گئی۔

حضرت لوط کس قدر جلد یہ بھول بیٹھے کہ کل رات ہی سدومی اخلاق اور تہذیب کی ساری حدیں پھلانگ گئے تھے۔ کیا یہ اُن کا فرض نہیں بنتا تھا کہ اپنی بیٹیوں کو لا مذہب اور بے راہ رَو مردوں کی سرزمین سے دُور لے جائیں؟ کیا یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ اپنی بیوی کو سدوم کی بدچلن عورتوں کی بُری صحبت اور بُرے اثر سے دُور لے جائیں؟ کیا اِس شہر سے وقت پر فرار ہونے سے اُنہیں نئے سرے سے زندگی شروع کرنے کا سنہری موقع نہیں مل رہا تھا؟ اِن تمام باتوں کے باوجود

آج وہ شہر کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھے۔ وہ تذبذب اور شش و پنج میں اُلجھ گئے۔ خاندان کی خواتین معاملے میں مزید روڑے اٹکانے لگیں۔ وہ چکنی چپُڑی باتیں کرکے اُنہیں مہمانوں کی نصیحت پر عمل نہ کرنے کا مشورہ دینے لگیں۔ کہنے لگیں کہ یہ لوگ عجیب کہانیاں سنا رہے ہیں، بھلا پوری وادیِ یردن کو جس میں پانچ بڑے بڑے شہر ہیں کس طرح تباہ کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر ایسا ہو بھی سکتا ہے تو آخر کیوں؟ ملک کے دوسرے لوگ کیا بہت نیک پاک ہیں؟ غرض حضرت لوط بڑی کش مکش میں مبتلا ہو گئے۔

لیکن فرشتوں نے اُنہیں اُن کے حال پر نہ چھوڑا بلکہ اُنہیں بار بار شہر سے نکلنے کو کہتے رہے۔ آخر جب حضرت لوط صبح تک فیصلہ نہ کر پائے تو فرشتوں نے اُن کا اور اُن کی بیوی اور بیٹیوں کا ہاتھ پکڑ کر اُنہیں شہر سے باہر لے آئے اور اُن سے کہا، ”اپنی جان بچا کر چلا جا۔ پیچھے مُڑ کر نہ دیکھنا۔ میدان میں کہیں نہ ٹھہرنا بلکہ پہاڑوں میں پناہ لینا، ورنہ تُو ہلاک ہو جائے گا۔“

حضرت لوط نے جواب دیا، ”نہیں میرے آقا، ایسا نہ ہو۔ مَیں پہاڑوں میں پناہ نہیں لے سکتا۔ وہاں پہنچنے سے پہلے یہ مصیبت مجھ پر آن پڑے گی اور مَیں ہلاک ہو جاؤں گا۔ دیکھ، قریب ہی ایک چھوٹا قصبہ ہے۔ وہ اِتنا نزدیک ہے کہ مَیں اُس طرف ہجرت کرسکتا ہوں۔ مجھے وہاں پناہ لینے دے۔“

اب رب خود اپنے دو فرشتوں کے ساتھ آ ملا تھا۔ اُس نے رحم سے حضرت لوط پر نگاہ ڈالی۔ اُس کے لئے یہ بات کس قدر مایوس کن تھی کہ حضرت لوط اور اُن کے اہل و عیال اِس نازک گھڑی میں بھی بدستور خود غرض بنے ہوئے ہیں اور رب کے کہے پر چلنے کو تیار نہیں۔ تاہم رب نے حضرت لوط کو جواب دیا، ”چلو، ٹھیک ہے۔ تیری یہ درخواست بھی منظور ہے۔ مَیں یہ قصبہ تباہ نہیں کروں گا۔ لیکن بھاگ کر وہاں پناہ لے، کیونکہ جب تک تُو وہاں پہنچ نہ جائے مَیں کچھ نہیں کرسکتا۔“

حضرت لوط جب اُس شہر میں پہنچے تو سورج طلوع ہو رہا تھا۔ افسوس کہ اُن کی بیوی اِس قصبے تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہوئیں۔ اپنے خاندان کے عقب میں چلتے چلتے وہ مُڑ کر پیچھے دیکھنے کی حماقت کر بیٹھی تھیں۔

رب کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہی اُنہیں اِس کی سزا ملی تھی۔ وہ ایک دم نمک کے کھمبے میں تبدیل ہو گئی تھیں۔

اُدھر سدومی اچانک ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھے۔ "ہائے یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ کیسا شور ہے؟" وہ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے۔

آسمان کا رنگ گہرا سرخ تھا۔ ساتھ ساتھ گاہے بگاہے گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دینے لگی۔ کیا آسمان گرج رہا تھا؟ یک لخت زمین ہل گئی۔ شاید زلزلہ آ رہا ہے، بعض نے سوچا۔ تب گندھک کا دھواں چاروں طرف پھیلنے لگا۔ لوگوں کا دم گُھٹنے لگا۔ اب سب سخت گھبرا گئے اور آؤ دیکھا نہ تاؤ وہاں سے بھاگنے لگے۔ افرا تفری اور نفسا نفسی کا عالَم برپا ہوا۔ مرد اپنا سانس روکے اہل و عیال کو بھول کر بے تحاشا شہر کے پھاٹک کی طرف دوڑے۔ اُنہیں صرف اپنی جان بچانے کی پڑی تھی۔ عورتیں اپنے شوہروں کو پکار اُٹھیں اور بچے اپنے ماں باپ کو۔ لیکن سب کو اپنی جان کے لالے پڑے تھے۔ زمین میں جا بجا شگاف پڑتے گئے۔ کئی لوگ ایک دم اُن میں زندہ دفن ہو گئے۔ دوسرے

جو ابھی تک چل پھر رہے تھے، اُنہیں جیتے جی جہنم کا نظارہ نظر آیا۔ بھاگتی ہوئی عورتیں اور بچے گرم راکھ کی بارش تلے دب گئے۔ اُدھر کوئی عمر رسیدہ دادا اپنے گھرانے کے جوانوں کو مدد کے لئے پکارتا رہا، لیکن جواب میں اُسے فقط جگر پاش چیخیں اور دیوتاؤں پر لعن طعن کے فقرے سنائی دیئے۔ پھر سب کے سب جلتے مکانوں کے نیچے دب گئے۔

دھڑا دھڑ جلتی ہوئی آگ کی کڑکڑاہٹ کے ساتھ جاں کنی میں لبوں سے نکلی ہوئی دبی دبی دِلدوز آہ و بکا کی آوازیں گڈمڈ ہوتی گئیں۔ جلد ہی سب نفوس آگ کے شعلوں کی بھینٹ چڑھ گئے، اور دریائے یردن کے سیلاب نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ جلد ہی شہر کی تباہی پوری اور مکمل ہوگئی۔

یہ سارا علاقہ دُنیا کے لئے جائے عبرت ہے۔ یہ اِس حقیقت کی یاد دلاتا ہے کہ اللہ کو گناہ سے کتنی نفرت ہے۔

سدوم اور عمورہ کی ہول ناک تباہی ہوئے ایک سال گزر گیا۔ حضرت ابراہیم کی عمر پورے سو برس اور اُن کی بیوی کی نوے برس کی تھی۔ راہِ حیات کا اِتنا سفر طے کرنے کے بعد وہ زندگی سے اَور کیا توقع کر سکتے تھے! مگر اللہ جس کا نام عجیب اور قادر ہے اُن پر خاص طور پر مہربان ہوا۔ اُس کے وعدے کے مطابق حضرت سارہ کی گود ہری ہوئی۔ اب حضرت ابراہیم اور بی بی سارہ کی زندگی نئے سرے سے جوش اور جذبے سے بھر گئی۔ اُن کو زندگی میں نیا مقصد مل گیا تھا۔ دونوں کے

چہروں سے مسرت پھوٹی پڑتی رہی۔ اب موعودہ فرزند کی آمد پکی ہوگئی تھی۔

سارے ڈیرے میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ سب کو محسوس ہوا کہ یقیناً اللہ ہمارے سربراہ کے ساتھ ہے۔ آخر نوے برس کی عورت کے ہاں بچے کی پیدائش کسی کے دیکھنے سننے میں نہ آئی تھی۔ ہاں، عورتیں بی بی سارہ کے لئے فکر مند ہوئیں کہ وہ اپنی مشکل گھڑی کے وقت کیا کریں گی۔ تاہم اِس خبر کا مجموعی تاثر خوشی ہی کا تھا۔ سارا ڈیرا وعدہ کئے گئے وارث کے انتظار میں دن گننے لگا۔

خدا خدا کرکے وہ دن آ گیا جس کی پیش گوئی اللہ نے 25 سال پہلے سنائی تھی۔ میاں بیوی کی حالت عجیب تھی۔ جس گھڑی کا انتظار وہ نو ماہ سے کر رہے تھے وہ آ پہنچی۔ حضرت ابراہیم اپنی بیوی کی تکلیف کو دیکھ کر اپنے آپ کو نہایت بے بس محسوس کر رہے تھے۔ کاش وہ کسی طور سے مدد کر سکتے، اُن کا دُکھ بانٹ سکتے! خیمے سے باہر بیٹھے وہ بے چینی سے تڑپتے رہے۔ بیٹھے بیٹھے اُنھوں نے سوچا کہ مَیں کتنی مدت سے اِس دن کا انتظار کرتا آیا ہوں۔ خدا کے وعدے کو اب تک 25 سال گزر گئے ہیں۔

اب اگر میری بیوی مر گئی تو؟ لیکن پھر اللہ نے شکوک کے یہ بادل دور کر کے اُنہیں یقین دلایا کہ وہ خود اُن کی بیوی کا مددگار ہے۔

آخر کار فکر اور تشویش کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور دل خوشی اور شادمانی سے بھر گیا۔ بیٹے کی پیدائش کی خبر حضرت ابراہیم کو پہنچائی گئی تو وہ اُن کا خیر مقدم کرنے کو بے تاب ہوئے، لیکن اُنہیں کچھ دیر اَور انتظار کرنا پڑا۔

آناً فاناً ڈیرے کے ہر خیمے میں یہ خبر پہنچ گئی کہ سارہ بی بی کے لڑکا ہوا ہے۔ بس پھر کیا ہونا تھا۔ مرد، عورتیں، لڑکے لڑکیاں حتیٰ کہ بوڑھے لوگ بھی اپنا کام کاج جوں کا توں چھوڑ کر سارہ بی بی کے خیمے کی طرف بھاگے۔ اُن کی خوشی سچی اور دلی تھی۔ سب کی مبارک باد میں کتنا خلوص تھا اور بزرگوں کی دعاؤں میں بچے کے لئے کتنی عقیدت!

یوں پورے ڈیرے میں ہلچل مچ گئی اور ننھے بچے حضرت اِسحاق کا ہر چھوٹے بڑے نے اِنتہائی گرم جوشی سے خیر مقدم کیا۔ صرف بی بی ہاجرہ اور اُن کے بیٹے کے لئے یہ دن صبر آزما تھا۔ اُنہیں بدلتے حالات کا پورا پورا احساس ہوا۔ نئے وارث نے آتے ہی حضرت اسمٰعیل کی

جائے عزت و مرتبت سنبھال لی ہے۔ کیا عجب کہ حسد کی جو چنگاری دل میں دبی پڑی تھی پھر سے سلگنے لگی۔

کچھ عرصہ نہایت اَمن چین سے گزر گیا۔ ہوتے ہوتے حضرت اسحاق کا دودھ چھڑانے کا وقت آ گیا۔ اُن کی کم سن اور معصوم زندگی میں یہ مرحلہ بھی خوب طے ہو گیا۔ حضرت ابراہیم نے اِس موقع پر بڑی ضیافت کا اہتمام کیا۔ ممکن ہے اُس وقت حضرت اسحاق کی عمر تین سال کی ہو۔ بہت سے معزز مہمان اِس تقریب کی خوشی میں شریک ہوئے۔ کیا عجب کہ حضرت اسمٰعیل کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اُٹھی۔

جب سب ہلکی پھلکی باتیں کر رہے تھے تو سولہ سترہ سالہ حضرت اسمٰعیل ہنسی مذاق کرنے لگے۔ لیکن ہر بات میں کم سن حضرت اسحاق اُن کے مذاق کا نشانہ بنتے گئے۔ بی بی سارہ نے یہ بات دیکھی تو دل ہی دل میں جل بھُن گئیں۔ آخر اُن سے رہا نہ گیا۔ وہ غصے سے اپنے خاوند کی طرف دیکھ کر بولیں، "اِس لونڈی ہاجرہ اور اُس کے بیٹے کو نکال دیجئے۔ اُس کا بیٹا میرے بیٹے اسحاق کے ساتھ وارث نہ ہو گا، مَیں یہ بات ہرگز گوارا نہیں کر سکتی۔"

یہ سن کر حضرت ابراہیم ہکا بکا رہ گئے۔ بیوی کے الفاظ نے تقریب کا سارا مزہ کِرکِرا کر دیا تھا۔ دیرینہ حسد کی جھلک صاف نظر آ رہی تھی۔ حضرت ابراہیم نے سوچا، "سارہ اِس بات کو کیوں نہیں سمجھتی ہے کہ اسمٰعیل بھی میرا بیٹا ہے؟ کیا وہ نہیں جانتی کہ وہ مجھے کس قدر گہرا صدمہ پہنچا رہی ہے؟"

اُس رات وہ نہایت پریشانی کے عالَم میں بستر پر جا لیٹے۔ اُن کی اِس حالت میں اللہ اُن سے رات کو ہم کلام ہوا۔ اُس نے فرمایا، "جو بات سارہ نے اپنی لونڈی اور اُس کے بیٹے کے بارے میں کہی ہے وہ تجھے بُری نہ لگے۔ سارہ کی بات مان لے، کیونکہ تیری نسل اسحاق ہی سے قائم رہے گی۔ لیکن مَیں اسمٰعیل سے بھی ایک قوم بناؤں گا، کیونکہ وہ تیرا بیٹا ہے۔"

وہ تھوڑی دیر کے لئے بستر پر لیٹے لیٹے اِس معاملے کے نشیب و فراز پر غور کرتے رہے۔ کاش مَیں اپنی بیوی سے کھل کر بات چیت کرسکوں! کاش وہ میرے احساسات کو سمجھنے کی کوشش کرتی! لیکن حقیقتِ حال کچھ اَور ہی تھی۔ حضرت سارہ بی بی ہاجرہ کا نام تک سننا برداشت

نہ کر سکتی تھیں۔ حضرت ابراہیم کو اِس بات کا خدشہ تھا کہ کیا اسمٰعیل مجھ سے الگ رہ کر سچے خدا کے احکام کی پیروی کرے گا؟

حضرت ابراہیم جان گئے تھے کہ کیا کرنا ہے، کہ اُن کی علیٰحدگی بہتر ہو گی۔ مگر ایسا کرنا آسان تو نہ تھا۔ ساتھ ساتھ اُس وقت کوئی حضرت ابراہیم کا ہم خیال نہ تھا۔ کوئی اُن کا دُکھ درد بٹانے والا نہ تھا۔ وہ اپنے بیٹے اسمٰعیل سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدائی کے خیال سے سخت اُداس اور پریشان تھے۔ وہ خیالوں میں بستر پر لیٹے لیٹے ہی حضرت اسمٰعیل کو الوداع ہوتے دیکھ رہے تھے۔ اُنہیں اُن کی حسرت بھری نگاہیں یہ کہتی معلوم ہوئیں کہ "مجھے آپ سے یہ توقع نہ تھی۔"

یہ بڑا مشکل مرحلہ تھا، لیکن دیر کرنا اُن کی عادت نہ تھی۔ صبح سویرے وہ ڈیرے میں کسی اَور کے اُٹھنے سے پہلے ہی اُٹھ بیٹھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی اُنہیں الوداع کہتے ہوئے دیکھے۔ وہ بی بی سارہ کی نظر سے بھی اپنے جذبات کو اوجھل رکھنا چاہتے تھے۔ اُنہوں نے بڑی احتیاط سے چند کھانے والی چیزیں تیار کیں اور اُنہیں اچھی طرح تھیلے میں بند کر دیا۔ ساتھ ساتھ اُنہوں نے مشکیزہ لے کر اُسے پانی سے لبالب بھرا۔

تب اُنھوں نے بی بی ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو جگا کر صورتِ حال بیان کی۔ اُنھیں اِس کی وضاحت کرتے ہوئے مناسب الفاظ کہنے میں دِقت محسوس ہو رہی تھی۔ اگر اللہ اُن کی مدد نہ کرتا تو وہ اِس حکم کی پیروی کرنے میں شاید کوتاہی یا دیر کر دیتے۔

اُن کو صبح سویرے جگانے کی وجہ بیان کرنے کے بعد اُنھوں نے مشکیزہ لے کر اُسے بی بی ہاجرہ کے شانے پر لٹکا دیا اور باقی سامان اُن کے حوالے کیا۔ ایسا کرتے ہوئے اُنھوں نے آہ بھری کہ "کاش یہ دونوں جان سکیں کہ مَیں خود اُن کے دُکھ میں شریک ہوں، اُن کی پریشانی سے پریشان ہوں!" پھر اُنھوں نے آخری مرتبہ اپنے بیٹے اسمٰعیل کو بوسہ دیا اور ماں بیٹے دونوں کو خدا حافظ کہہ کر رُخصت کر دیا۔ خود وہ کھڑے ہو کر دیر تک اُنھیں فاصلوں میں سمٹتا دیکھنے لگے۔ اُنھیں خیال آیا کہ "جانے یہ ماں بیٹا کیا سوچ رہے ہیں؟ اُن کے دلوں کا کیا حال ہے؟ کیا وہ بے انصافی کے دُکھ درد سہہ سہہ کر بے حس ہو گئے ہیں؟ یا کیا وہ راہ میں چلتے چلتے سارہ کے خلاف زہر اُگل رہے ہیں؟ آہ

اگر اِس تلخ تجربے نے اُنہیں سچے خدا سے منحرف کر دیا یا اُس پر شک کرنے پر مجبور کر دیا تو پھر کیا ہو گا ؟"

اُدھر ماں بیٹا بتدریج چھوٹے سے چھوٹے ہوتے جا رہے تھے حتیٰ کہ آخر میں صرف گرد و غبار کا چھوٹا سا بادل رہ گیا۔ اُن کا بیٹا اسمٰعیل اُن سے جیتے جی ہمیشہ کے لئے جدا ہو چکا تھا اور اُن کا دل اُس کے لئے خون کے آنسو رو رہا تھا۔

اُتنے میں بی بی ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کا کیا حال رہا ؟ وہ بے چارے مصر کا رُخ کرنا چاہتے تھے۔ مگر چلتے چلتے وہ راہ سے بھٹک کر کئی دنوں تک بیابان میں مارے مارے پھرنے لگے۔ اب اُن کی کوئی منزل نہ رہی۔ بلا کی گرمی پڑ رہی تھی۔ جہاں تک نظر اُٹھتی صحرا کی ریت ہی ریت نظر آتی۔ گرمی، گرد و غبار اور ریت سے اُن کی جان ہلکان ہوئی جاتی تھی۔ پھر بھی شروع کے چند دن تو جوں توں گزر ہی گئے۔ مگر اب اُن کی خوراک ختم ہو گئی اور ظلم پر ظلم یہ کہ پانی کا مشکیزہ بھی خالی ہو گیا جبکہ صحرا میں دُور دُور تک کہیں پانی کا نام و نشان تک نظر نہ آیا۔

اب وہ بھوک سے نڈھال، پیاس سے بدحال قدم مارتے چلتے گئے۔ پیاس کی شدت سے اُن کے حلق میں کانٹے سے پڑ گئے اور ہونٹوں پر پپڑیاں جم گئیں۔ حضرت اسمٰعیل میں اب چلنے کی سکت باقی نہ رہی تھی۔ وہ ڈگمگاتے قدموں سے ماں کے ساتھ ساتھ چلنے کی کوشش کرتے رہے، لیکن رفتہ رفتہ وہ کمزور سے کمزورتر ہوتے چلے گئے۔ آخرکار وہ ہار مان کر بولے، "امی جان! اب مَیں بالکل چل نہیں سکتا۔ بس اب ہم مر جائیں گے۔" یہ کہہ کر وہ نڈھال ہو کر وہیں بیٹھ گئے۔

بی بی ہاجرہ نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے آہ بھری کہ کسی کو ہماری پروا نہیں۔ اب تو اللہ کو بھی ہمارے حال پر رحم نہیں آتا۔ پھر وہ اِسی طرح کے خیالوں میں غرق گرتی پڑتی اپنے بیٹے کو اُٹھا کر ایک جھاڑی کے سائے میں لے گئیں اور خود تقریباً سو گز کے فاصلے پر جا بیٹھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ اُن کا بیٹا جان بلب ہے۔ وہ اپنے بیٹے کا مرنا نہ دیکھ سکتی تھیں، اِس لئے ذرا دُور بیٹھ کر اِنتہائی بے بسی کے عالَم میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

یکایک اُنہیں خیال آیا کہ ہم حقیقت میں لمحہ بھر کو تنہا نہیں ہیں۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ وہ میرا اور بیٹے کا نگران ہے۔ وہ تو صرف اِس انتظار میں ہے کہ مَیں اُس سے فریاد کروں اور اپنی ضرورت کو اُس کے سامنے پیش کروں۔ عین اُس وقت کسی کی آواز سنائی دی، "ہاجرہ، کیا بات ہے؟"

بی بی ہاجرہ نے آنسوؤں سے تر چہرہ آسمان کی طرف اُٹھا دیا۔ کس نے بات کی؟ رب کے فرشتے نے آسمان پر سے پکار کر کہا، "مت ڈر، کیونکہ اللہ نے لڑکے کا جو وہاں پڑا ہے رونا سن لیا ہے۔ اُٹھ، لڑکے کو اُٹھا کر اُس کا ہاتھ تھام لے، کیونکہ مَیں اُس سے ایک بڑی قوم بناؤں گا۔"

اب اُن کے آنسو خشک ہو گئے اور اچانک قریب ہی ایک کنواں نظر آیا۔ وہ لپک کر اپنا مشکیزہ بھر لائیں اور تیزی سے اپنے بیٹے کے پاس پہنچیں، اُسے پانی پلایا اور وہ تازہ دم ہو گیا۔ بیٹے کو فرشتے کا سارا پیغام سنا کر اُن کے دل خوشی اور اُمید سے کتنے بھر گئے ہوں گے۔

دونوں ماں بیٹا آخرکار فاران کے بیابان میں رہائش پذیر ہوئے۔ اُنہیں یہ جگہ بہت اچھی لگی، کیونکہ حضرت اسمٰعیل کی آزادانہ طبیعت باہر کی کھلی فضا میں بہت خوش رہتی تھی۔ یہ جگہ حضرت ابراہیم کے ڈیرے کے اُس خیمے سے کہیں بہتر تھی جہاں کئی لونڈیاں ماں کے ساتھ رہتی تھیں۔ یہاں وہ کسی کے ماتحت نہیں تھے۔ یہاں کسی کی تیکھی نظریں اُن کا تعاقب نہیں کرتی تھیں اور یہاں کے وسیع و عریض میدان میں وہ گورخر کی سی آزاد طبع کی تسکین کے لئے خوب گھوم پھر سکتے تھے۔ کچھ عرصے بعد اُنہوں نے تیراندازی میں خوب مہارت حاصل کی۔

تاہم اُنہوں نے اپنے والد کے ساتھ مکمل طور پر قطع تعلق نہ کیا۔ شاید وہ سمجھ گئے تھے کہ میرے باپ نے خوشی سے نہیں بلکہ حالات کی مجبوری کے تحت ہمیں اپنے سے علیٰحدہ کر دیا تھا۔

اب حضرت ابراہیم بڑے آرام و سکون سے زندگی گزارنے لگے۔ سب سے بڑی خوشی یہ تھی کہ اُن کے نُورِنظر حضرت اسحاق ایک تابع فرمان بیٹے تھے۔ اُن کے مزاج میں باپ کی دین داری کی جھلک نظر آتی تھی۔ اب باپ بیٹا دونوں اللہ کی راہ میں چلتے تھے۔ خدا حضرت ابراہیم کو اپنی رفاقت سے مستقل نوازتا رہا تھا۔ نتیجے میں وہ اُس کی آواز سننے کے عادی ہو گئے تھے۔

"ابراہیم! ابراہیم!"

رات کا وقت تھا۔ حضرت ابراہیم اپنے خیمے میں آرام کی نیند سو رہے تھے کہ اُنہیں اللہ کی مخصوص آواز سنائی دی۔ چونکہ اُن کے کان اِس آواز کو سننے کے لئے تیار رہتے تھے اِس لئے اُنہیں سمجھ آئی کہ اللہ مجھ پر کوئی نیا اور شان دار مکاشفہ ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ وہ جلدی سے بول اُٹھے، ”جی، مَیں حاضر ہوں۔“

رب نے فرمایا، ”اپنے اکلوتے بیٹے اسحاق کو جسے تُو پیار کرتا ہے ساتھ لے کر موریاہ کے علاقے میں چلا جا۔ وہاں مَیں تجھے ایک پہاڑ دکھاؤں گا۔ اُس پر اپنے بیٹے کو قربان کر دے۔ اُسے ذبح کر کے قربان گاہ پر جلا دینا۔“

حضرت ابراہیم کو یوں محسوس ہوا جیسے آسمان سر پر آ گرا ہو۔ وہ ہڑبڑا کر جاگ اُٹھے گویا اُنہوں نے نہایت ہی خوف ناک خواب دیکھا ہو۔ گھبراہٹ کی شدت سے اُن کے پسینے چھوٹ گئے۔ رات کی سیاہ تاریکی میں اُن کا پہلا خیال یہ تھا کہ یہ ناممکن ہے۔ یہ خدا کی فطرت اور سیرت کے خلاف ہے۔ خدائے رحیم و کریم ایسا کر ہی نہیں سکتا۔ لیکن

پھر اُنہیں وہ حکم لفظ بلفظ یاد آیا۔ اِس میں شک کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ اللہ نے اُن سے یہی طلب فرمایا تھا۔

وہ سوچنے لگے کہ اِس مرتبہ اللہ نے میرے ساتھ اپنے رویے کو کیوں بدل دیا ہے؟ عام طور پر وہ سب سے پہلے اپنا تعارف کراتا ہے، پھر کوئی حکم دیتا اور ساتھ ہی کوئی عہد یا وعدہ کرتا ہے جس سے میری حوصلہ افزائی ہو جائے۔ مگر آج جب مجھے تسلی دلانے والے الفاظ یا کسی عہد کی اشد ضرورت ہے تو خدا نے مجھے صرف حکم دے کر ہی بات ختم کر دی ہے۔

اُنہیں اسحاق کا خیال آیا تو اُن کی آنکھوں میں بے اِختیار آنسو اُمڈ آئے۔ "اللہ کو معلوم ہے کہ مَیں اپنے اِس بیٹے کو کس قدر عزیز رکھتا ہوں۔" یکایک اُن کے جسم میں کپکپی کی لہر دوڑ گئی۔ "کیا اللہ دوسرے دیوتاؤں کی طرح ظالم ہے؟ وہ مجھے اپنے ہی لختِ جگر کو موت کے گھاٹ اُتارنے کو کس طرح کہہ سکتا ہے؟ کیا آس پاس کے بت پرست لوگ یہی نہیں کرتے؟ پھر مجھ میں اور اُن میں کیا فرق رہے گا؟"

رفتہ رفتہ بزرگ ابراہیم پر یہ ظاہر ہوا کہ یہ ایک اِمتحان ہے۔ ”کیا اللہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ مَیں زندہ خدا کو اپنے بیٹے سے زیادہ پیار کرتا ہوں؟ کیا وہ میرے ایمان کی آزمائش کر رہا ہے؟ آخر اِسحاق کے مرنے کے بعد جس نسل کا خدا نے وعدہ کیا ہے ختم ہو جائے گی۔“ معاملے کی ساری اُونچ نیچ پر غور کر کے حضرت ابراہیم کو پورا یقین ہو گیا کہ اللہ قادرِ مطلق ہے اور کہ وہ اسحاق کو خاک میں سے اُٹھا کھڑا کر سکتا ہے۔ تو بھی جب وہ حکم کی تعمیل کے لئے اگلے دن صبح سویرے اُٹھے تو اُن کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ یہ اُن کی زندگی کی سب سے کڑی آزمائش تھی۔ تاہم اُنہوں نے اللہ کا حکم بجا لانے میں ایک دن بھی تاخیر نہ کی۔

اِس سے پہلے کہ بی بی سارہ اُٹھتیں اُنہوں نے اپنے بیٹے اور دو خادموں کو جگایا اور قربانی کے لئے لکڑیاں چن کر گدھے پر لاد دیں۔ آگ لگانے کے لئے چقماق اور بڑی چھری بھی گدھے پر لدے سامان میں رکھ لی گئی۔ لیکن لگ رہا تھا کہ اِس بار وہ قربانی کا لیلا راستے میں خریدیں گے۔ پھر باپ بیٹا گدھے کو لے کر دونوں خادموں کے ساتھ اُس جگہ کی طرف روانہ ہو گئے جو اللہ نے حضرت ابراہیم کو

بتائی تھی۔ قربانی گزراننے کے لئے گھر سے نکلنا کوئی نئی بات نہ تھی، لہٰذا کسی نے اُن پر دھیان نہ دیا۔

حضرت اسحاق اپنے والد کے ساتھ اِدھر اُدھر کی ہلکی پھلکی باتیں کرتے گئے۔ وہ اپنے والد کے ساتھ سفر سے خوب لطف اندوز ہو رہے تھے۔ صبح کے سہانے وقت میں گرد و پیش کے بدلتے منظر اُن کے معصوم دل کو لُبھا رہے تھے۔ اُنہیں خیال تک نہ آیا کہ بزرگوار والد کس کش مکش اور تذبذب سے دوچار ہیں۔ یہ ششں و پنج والد کے دماغ میں سفر کے ساتھ ساتھ تین دن تک جاری رہی۔ جو راتیں اُنہیں راستے میں گزارنی پڑیں وہ حضرت ابراہیم پر قیامت جیسی بھاری تھیں۔ وہ پل بھر کو سو نہ سکے۔ سوچ سوچ کر اُن کا دماغ چکرا جاتا۔

کبھی وہ یہ سوچتے کہ کیا خدا نے یہ مہلت اِسی لئے دی ہو کہ مَیں اُس کے حکم کی تعمیل جلد بازی سے نہیں بلکہ ٹھنڈے دل سے سوچ سمجھ کر کروں؟ چلتے چلتے وہ تیسرے دن اُس پہاڑ پر پہنچے جس کی اللہ نے نشان دہی کی تھی۔ اب سب سے مشکل مرحلہ شروع ہونے کو تھا۔

سب رک گئے تو حضرت ابراہیم نے خادموں سے کہا، ”یہاں گدھے کے پاس ٹھہرو۔ مَیں لڑکے کے ساتھ وہاں جا کر پرستش کروں گا۔ پھر ہم تمہارے پاس واپس آ جائیں گے۔“

حضرت ابراہیم نے لکڑیاں لے کر حضرت اسحاق کے کندھے پر رکھیں اور کانپتے ہاتھوں سے چھری اور آگ جلانے کے لئے چقماق کا پتھر اُٹھا لیا۔ چھری کو ہاتھ میں لیتے وقت اُنہیں خیال آیا کہ اللہ میرے عزیز بیٹے کو مُردہ نہیں رہنے دے گا، وہ اُسے ضرور زندہ کر دے گا۔ وہ اُسے صحیح سلامت کر دے گا۔ لیکن اپنے عزیز اکلوتے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے اذیت دینے کا خیال نہایت جان لیوا تھا۔

کاش حضرت ابراہیم یہ جانتے کہ جس تلخ جان کنی کا تجربہ وہ کر رہے تھے عین وہی تجربہ خود اللہ بعد میں گوارا کرے گا۔ خدا کا دل اِسی طرح زخمی ہو گا جب اُن کے اپنے اکلوتے فرزند المسیح انسان کے گناہوں کی سزا برداشت کر کے صلیبی موت گوارا کریں گے۔ صدیوں بعد حضرت عیسیٰ اُسی علاقے میں مصلوب ہوں گے جہاں حضرت ابراہیم اور اُن کے بیٹے اب نہایت خاموشی سے پہاڑ کی چڑھائی پر چڑھے چلے جا رہے تھے۔

اچانک لڑکے کی باریک سی آواز خاموشی میں گونج اُٹھی، "ابو!"
باپ نے کہا، "جی بیٹا۔"
"ابو، آگ اور لکڑیاں تو ہمارے پاس ہیں، لیکن قربانی کے لئے بھیڑ یا بکری کہاں ہے؟"

اِس سوال نے صرف فضا کی خاموشی ہی نہیں بلکہ حضرت ابراہیم کے دل کو بھی چیر کر رکھ دیا۔ اُن کا گلا خشک ہو گیا اور آواز ساتھ نہ دے سکی۔ لیکن اُنہوں نے دلیرانہ جواب دیا، "اللہ خود قربانی کے لئے جانور مہیا کرے گا، بیٹا۔"

اب وہ بڑے اِنکسار کے ساتھ دعا کرنے لگے۔ ممکن ہے کہ اِس دوران حضرت اسحاق پر راز کھل گیا ہو۔ لیکن وہ تندرست و توانا ہونے کے باوجود وہاں سے فرار نہ ہوئے حالانکہ ایسا کرنے کے لئے اُن کے پاس کافی وقت تھا۔ لیکن نہیں، باپ بیٹے کی گہری رفاقت نے آپس کے اعتماد کو چٹان کی طرح مضبوط کر دیا تھا۔ اُن میں یک دلی اور ہم آہنگی تھی۔ وہ باپ کی بے حد پریشانی کو بھانپ رہے تھے۔ اُنہوں نے دیکھا کہ اُن کے والد بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہے

ہیں۔ وہ کچھ کہنا چاہتے ہیں پر کہہ نہیں پاتے جیسے کہنے کو صحیح الفاظ نہ مل رہے ہوں۔ بیٹے پر واضح ہوگیا کہ والد کے تن بدن پر جو رعشہ طاری ہو گیا ہے وہ محض تھکان نہیں بلکہ ہیجان ہے۔ وہ اُن کو تسلی دینے کو چپ چاپ اُن کے اَور قریب جا کھڑے ہوئے۔ ماحول کچھ پُراَسرار سا ہو چلا تھا۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ اب باپ کی طرح بیٹے کے قدم بھی بوجھل سے ہو چلے۔ اُنہیں آنے والے لمحات سے کسی قدر خوف محسوس ہونے لگا۔ اور یہ بات قدرتی تھی کیونکہ اُن کے والد خود انتہائی پریشان نظر آ رہے تھے۔

آخرکار وہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئے۔ حضرت ابراہیم نے رُک کر کہا، "یہی وہ جگہ ہے۔" حضرت اسحاق نے لکڑیاں نیچے رکھ دیں، اور والد نے چھری اور چقماق زمین پر ایک طرف رکھ دیئے۔ دونوں ذرا دم لینے کو بیٹھ گئے۔ لیکن یہ دم لینے کا وقت حضرت ابراہیم پر کس قدر بھاری تھا! یہ صرف وہ خود یا اُن کا خدا جانتا تھا۔ کسی دوسرے کے لئے اِس کو بیان کرنا یا اُن کے جذبات کی ترجمانی کرنا ناممکن ہے۔

تھوڑی دیر بعد دونوں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت ابراہیم پتھروں کا چبوترہ بنانے لگے۔ حضرت اسحاق مؤدب کھڑے اپنے والد کو پتھروں پر پتھر ترتیب سے رکھتے دیکھتے رہے۔ جب قربان گاہ تیار ہوگئی تو اُس پر لکڑیاں چننے کا مرحلہ آیا۔ اُن کی نقل و حرکت یہاں تک پہنچتے بہت سُست ہوگئی۔ بالآخر یہ مرحلہ بھی طے ہوگیا۔

پھر وہ لمحہ آیا جب بیٹے کو لکڑیوں کے اوپر لٹانا تھا۔ ہم یہ نہیں جانتے کہ حضرت ابراہیم نے کن الفاظ میں بیٹے پر ظاہر کیا کہ تُو ہی وہ لیلا ہے جسے مجھے اللہ کے حکم کے مطابق قربان کرنا ہے۔ لیکن اِتنا ہم جانتے ہیں کہ جب قربان گاہ پر قربانی رکھنے کا وقت آیا تو بیٹا آمادہ اور مستعد تھے۔ وہ اِتنا جانتے تھے کہ والد مجھے جی جان سے پیار کرتے ہیں اور مجھ پر جان چھڑکتے ہیں۔ اگر آج وہ مجھ پر چھری چلائیں گے تو اُن کے پیشِ نظر کوئی الٰہی مقصد ہو گا۔ آہ! جب باپ بیٹا آخری بار بغل گیر ہوئے ہوں گے تو وہ منظر کتنا جاں گداز ہو گا اور حضرت ابراہیم پر کیا گزری ہو گی۔ یقیناً اُنہیں اُس وقت اسحاق کے بچپن کے حسین منظر یاد آ رہے ہوں گے۔ والد کو پہچان کر وہ پہلی کِھلتی ہوئی مسکراہٹ

یا لڑکھڑاتی ٹانگوں سے اُٹھائے ہوئے اُن کے پہلے دو چار قدم۔ خیمے میں ہشاش بشاش بچے کے کھلکھلاتے، کھنکھناتے قہقہے۔ اور آج سب سے زیادہ تکلیف دِہ بات اُن کی پُراعتماد محبت جس کی وجہ سے وہ بغیر مزاحمت کیئے مذبح پر لیٹ گئے۔

اَب باپ نے اپنے بیٹے کو رسیوں سے باندھ دیا تاکہ قربانی کی ساری رسوم پوری طرح ادا کی جائیں۔ چھری ہاتھ میں لینے سے پہلے اُنھوں نے بیٹے کو کیا کہا ہو گا؟ باپ نے بیٹے کو یقین دلایا ہو گا کہ خدائے قادر تجھے دوبارہ زندہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔

کس قدر عظیم تھے یہ دونوں باپ بیٹے! یہ کہنا مشکل ہے کہ دونوں میں سے زیادہ قابلِ تحسین کون ہیں۔ باپ جنہوں نے حکمِ خدا کی پابندی اور پیروی میں چھرا ہاتھ میں پکڑ لیا کہ اپنے جگر گوشے کو موت کے گھاٹ اُتار دیں یا بیٹا جنہوں نے باپ کی رضا کے سامنے بے چون و چرا سرِ تسلیم خم کر دیا۔ خیر اب اُن کے ایمان کی آزمائش آخری مرحلے پر تھی۔ حضرت ابراہیم نے جی کڑا کر کے چھری کو ہاتھ میں لیا اور اُسے مضبوطی سے وار کرنے کے لئے تھاما۔

وہ پورے دل سے نیت کر چکے تھے۔ چھری اُوپر اُٹھ چکی تھی، مگر عین اُس وقت آسمان سے اللہ کے فرشتے کی آواز آئی، "ابراہیم! ابراہیم!"

"جی، مَیں حاضر ہوں" اُنھوں نے کہا۔

"اپنے بیٹے پر ہاتھ نہ چلا، نہ اُس کے ساتھ کچھ کر۔ اب مَیں نے جان لیا ہے کہ تُو اللہ کا خوف رکھتا ہے، کیونکہ تُو اپنے اکلوتے بیٹے کو بھی مجھے دینے کے لئے تیار ہے۔"

اُسی وقت جھاڑی میں پتوں کی کھڑکھڑاہٹ سی ہوئی اور حضرت ابراہیم نے دیکھا کہ ایک مینڈھا وہاں کھڑا ہے جس کے سینگ جھاڑی میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اُنھوں نے اُسے لپک کر پکڑ لیا اور اپنے بیٹے کی جگہ جکڑ کر قربان کر دیا۔ تب اُنھوں نے اُس مقام کا نام "یہوواہ یری" رکھا یعنی "خدا مہیا کرتا ہے۔"

اب باپ بیٹا شکرگزاری اور عقیدت سے اللہ کے حضور سجدے میں گر گئے۔ اُن کے عین سامنے مینڈھا آہستہ آہستہ آگ میں جل کر بھسم ہو رہا تھا جبکہ حضرت اسحاق کا بال تک بیکا نہ ہوا تھا۔ وہ زندہ سلامت تھے۔

اللہ نے حضرت ابراہیم کو اِس تلخ جام کا صرف آخری قطرہ پینے سے باز رکھا۔ لیکن یاد رہے کہ یہی وہ پیالہ تھا جو خدا نے خود آخری قطرے تک پی لیا، یعنی صدیوں بعد جب اُس نے اپنے فرزند حضرت عیسیٰ کو صلیبی موت گوارا کرنے دی۔ اُس نے اُن کے ساتھ ہر مرحلے پر دُکھ سہا، مثلاً جب حضرت عیسیٰ کے منہ پر تھوکا گیا اور اُنہیں ایسے سخت کوڑے لگائے گئے کہ اُن کا بدن لہولہان ہو گیا۔ اللہ نے کافروں کو اُن کے سر پر کانٹوں کا تاج گاڑنے سے باز نہ رکھا۔ آخر میں اُس نے اپنے اکلوتے کو صلیب پر کیلوں سے جڑے ہوئے دیکھا۔ بےحس عوام اُنہیں جاں کنی میں دُکھ اُٹھاتے وقت ٹھٹھوں میں اُڑا رہے تھے، گویا دوزخ اور تاریکی کی ساری قوتیں آزاد کر دی گئی ہوں۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق کی طرح اللہ اور عیسیٰ المسیح کے لئے یہ وقت کتنا کڑا تھا۔ خدا نے دنیا کے گناہوں کا بوجھ اُن پر لاد دیا۔ سب کی نفرتیں، کدورتیں، قتل، حسد، ناپاک خواہشات، فریب کاریاں، غیض و غضب اور نامہربانیاں، سب کی سب اُن ہی پر رکھ دی گئیں۔ ہاں اُن ہی پر جو خود گناہ سے ناآشنا تھے۔ اُس وقت اللہ اور المسیح دونوں ہی کو اِنتہائی

اذیت پہنچی۔ حضرت عیسیٰ کے لئے یہ لمحہ نہایت سنگین تھا۔ انسان کے گناہوں کے بوجھ کے باعث اللہ اور اُن میں جدائی کی دیوار حائل ہو گئی جو اِس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی، یہاں تک کہ وہ چلّا اُٹھے، "اے میرے خدا، اے میرے خدا، تُو نے مجھے کیوں ترک کر دیا ہے؟"

لیکن یہ حقیقت ہے کہ اُنہوں نے یہ تمام اذیت اور جاں کنی میرے اور آپ کے لئے سہی۔ اُس بے عیب لیلے نے صلیب پر ہمارے گناہوں کا فدیہ دیا تاکہ ہم گناہ کی سزا سے بَری قرار دیئے جائیں۔ نجات پانے کے لئے ہمیں صرف یہ کرنا ہے کہ دل کی گہرائیوں سے اُن پر ایمان لائیں جنہوں نے ہماری خاطر اپنی جان دے دی تاکہ ہمیں اللہ کے فرزند ہونے کا شرف حاصل ہو۔

حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق کو یہ دن ہمیشہ ہمیشہ یاد رہا۔ اِسے وہ کبھی بھول نہیں سکتے تھے۔ اللہ کے فرشتے نے بھی اِس کی اہمیت پر زور دیا۔ اُس نے دوبارہ آسمان سے پکار کر حضرت ابراہیم سے کہا، "رب کا فرمان ہے، میری ذات کی قَسم، چونکہ تُو نے یہ کیا اور اپنے اکلوتے بیٹے کو مجھے پیش کرنے کے لئے تیار تھا اِس لئے مَیں تجھے برکت دوں

گا اور تیری اولاد کو آسمان کے ستاروں اور ساحل کی ریت کی طرح بےشمار ہونے دوں گا۔ ... تیری اولاد سے دنیا کی تمام قومیں برکت پائیں گی۔"

اُس عظیم اِمتحان کے بعد حضرت ابراہیم نے چند سال نہایت آرام اور اطمینان سے گزارے۔ آرام و آسائش کے یہ سال اُن کی روحانی زندگی میں کسی لحاظ سے بھی رُکاوٹ ثابت نہ ہوئے۔ اُنہیں اِن ایام میں ہمہ وقت خدائے قادر کی مستقل حضوری کا بھرپور احساس رہا۔ یوں اللہ کے ساتھ اُن کی محبت اور عقیدت ترقی کرتی اور گہری ہوتی چلی گئی۔ اِسی طرح زندگی کے شب و روز گزرتے گئے۔

اب حضرت ابراہیم کی بیوی حضرت سارہ روز بروز کمزور ہوتی جا رہی تھیں۔ اُن کی عمر 127 برس ہو چکی تھی۔ ایک دن حضرت ابراہیم کو جلدی

سے حضرت سارہ کے خیمے میں بلایا گیا۔ افسوس جب وہ اُن کے بستر کے پاس پہنچے تو وہ وفات پا چکی تھیں۔

اُن پر نگاہ ڈالتے ہوئے حضرت ابراہیم کے دماغ میں پُرانی یادیں اُبھر آئیں۔ اُنہیں وہ نوجوان اور خوب صورت عورت یاد آئی جس سے اُن کی شادی ہوئی تھی۔ یہ حسین و جمیل بیوی زندگی بھر اُن کی کس قدر فرماں بردار اور وفادار رہی تھیں۔ جہاں کہیں وہ گئے وہاں اُن کا ساتھ دینے پر آمادہ اور رضامند رہیں حالانکہ ایسا کرنا اکثر اُن کے لئے بہت مشکل اور تکلیف دِہ ہوتا تھا۔ اُن کی محبت کی یاد سے اُن کی آنکھوں سے دوبارہ آنسو رواں ہو گئے۔

پھر اُنہیں اُن کے بانجھ پن کا زمانہ یاد آیا۔ آہ! سارہ کے لئے یہ دَور کتنا غم ناک اور صبر آزما تھا۔ وہ اِس دَور میں کتنی بدل سی گئی تھیں۔ اِسی وجہ سے وہ ہاجرہ سے اِتنا حسد کرنے لگی تھیں۔ اُن سے کتنی سختی کرنے لگی تھیں۔ لیکن یہ سارہ اُس سارہ سے کتنی مختلف تھی جو بعد میں اسحاق کی ماں بنی۔ اُنہوں نے کتنی محبت اور شفقت سے اپنے بیٹے کی پرورش کی تھی۔ اِس خیال کے آتے ہی حضرت ابراہیم کا دل بھر آیا۔ آہ! یہ معزز خاتون

جو تقریباً 80 برس اپنے شوہر کی رفیقہ اور ہمدم رہی تھیں اُن سے جدا ہو چکی تھیں۔ یہی وہ رفیقہ تھیں جن سے اُن کی بچپن کی یادیں وابستہ تھیں۔ وہ اُور شہر میں قیام کے واقعات کی ہم راز، وہ حاران شہر کے رشتے داروں سے واقف حتیٰ کہ اُن کے بھائی حاران کو بھی جانتی تھیں۔ فقط ایک شخصیت کی وفات پر حضرت ابراہیم کے کئی رشتے، کئی رابطے چکنا چور ہو گئے تھے۔ آہ سارہ!

تاہم اپنی بیوی کے لئے حضرت ابراہیم کے ماتم میں مایوسی کا عنصر نہیں تھا۔ وہ مطمئن تھے کہ وہ سچے خدا پر ایمان رکھنے والی رہی تھیں۔ وہ اُن کی رِحلت پر غمگین تو تھے، مگر وہ جانتے تھے کہ اِس موت کے بعد ایک اَور زندگی ہے۔ میری بیوی اب اُسی خدا کی حضوری میں ہے جس پر وہ ایمان رکھتی تھی۔ حضرت ابراہیم کو پورا یقین تھا کہ ایک دن ہم دونوں پھر ملیں گے تاکہ ہمیشہ اللہ کی حضوری میں رہیں۔ خود وہ اُس دن کے بے تابی سے منتظر تھے۔ کچھ دیر ماتم کرنے کے بعد وہ اُٹھے اور حبرون شہر کے بزرگوں سے بات چیت کرنے کے لئے باہر آئے۔

شہر کے پھاٹک پر چند بزرگ موجود تھے جو بڑے ادب سے اُن سے ملے۔ حضرت ابراہیم نے کہا، "مَیں آپ کے درمیان پردیسی اور غیرشہری کی حیثیت سے رہتا ہوں۔ مجھے قبر کے لئے زمین بیچیں تاکہ اپنی بیوی کو اپنے گھر سے لے جا کر دفن کرسکوں۔"

اُن لوگوں میں سے ایک نے کہا، "ہمارے آقا، ہماری بات سنیں! آپ ہمارے درمیان اللہ کے رئیس ہیں۔ اپنی بیوی کو ہماری بہترین قبر میں دفن کریں۔ ہم میں سے کوئی نہیں جو آپ سے اپنی قبر کا انکار کرے گا۔"

تب حضرت ابراہیم تعظیم میں جھک کر بولے، "اگر آپ اِس کے لئے تیار ہیں کہ مَیں اپنی بیوی کو اپنے گھر سے لے جا کر دفن کروں تو صُحر کے بیٹے عِفرون سے میری سفارش کریں کہ وہ مجھے مکفیلہ کا غار بیچ دے۔ وہ اُس کا ہے اور اُس کے کھیت کے کنارے پر ہے۔ مَیں اُس کی پوری قیمت دینے کے لئے تیار ہوں تاکہ آپ کے درمیان رہتے ہوئے میرے پاس قبر بھی ہو۔"

عفرون اُس وقت دوسروں کے ساتھ وہاں موجود تھا۔ اُس نے ادب سے جواب دیا، "نہیں، میرے آقا! میری بات سنیں۔ مَیں آپ کو یہ کھیت اور اُس میں موجود غار دے دیتا ہوں۔ سب جو حاضر ہیں میرے گواہ ہیں، مَیں یہ آپ کو دیتا ہوں۔ اپنی بیوی کو وہاں دفن کر دیں۔"

حاضرین جانتے تھے کہ یہ پیش کش محض رسمی ہے۔ اِس کا اصل مطلب یہ ہے کہ عفرون غار اور کھیت کو اُس اجنبی سردار ابراہیم کے ہاتھوں فروخت کرنے پر آمادہ ہے۔ حضرت ابراہیم پھر سے حبرون کے بزرگوں کے سامنے جھک کر آداب بجا لائے اور عفرون سے کہا، "مہربانی کر کے میری بات پر غور کریں۔ مَیں کھیت کی پوری قیمت ادا کروں گا۔ اُسے قبول کریں تاکہ وہاں اپنی بیوی کو دفن کر سکوں۔"

عفرون نے جواب دیا، "میرے آقا، سنیں۔ اِس زمین کی قیمت صرف 400 چاندی کے سِکے ہے۔ آپ کے اور میرے درمیان یہ کیا ہے؟ اپنی بیوی کو دفن کر دیں۔"

سب لوگ اِتنی بڑی رقم کا ذکر سن کر دم بخود رہ گئے۔ حضرت ابراہیم خود خوب جانتے تھے کہ عفرون بہت زیادہ قیمت طلب کر رہا ہے۔ لیکن بحث و تکرار کرنا اُن کے مزاج اور وقار کے خلاف تھا۔ نیز وہ اُن لوگوں کے حقوق کا احترام کرتے، اُن کے قوانین پر چلتے تھے اور اُن کے ساتھ ادب اور اخلاق سے پیش آتے تھے۔ گو اللہ نے اُن سے وعدہ کیا تھا کہ یہ سارا ملک ایک دن تیری ملکیت ہو گا تو بھی اُنھوں نے چاندی کے 400 سکے ادا کر کے عفرون کا کھیت خرید لیا۔ اِس طرح غار، کھیت اور اُس کے سارے درخت اُن کی ملکیت بن گئے۔ تب جا کر اُنھوں نے حضرت سارہ کے کفن دفن کا اِنتظام کیا۔ یوں ممرے کے نزدیک مکفیلہ کے کھیت میں اُن کی رفیقۂ حیات کی زندگی کا سفر تمام ہوا۔ جب اُنہیں اِس آرام گاہ میں رکھا گیا تو بہت سے لوگوں کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ تاہم حضرت ابراہیم کو یہ تسلی تھی کہ اُنھوں نے اپنی بیوی کے ساتھ اچھے دن گزارے تھے۔ گو اُن کا چہرہ بھی باقی سب کی طرح آنسوؤں سے تر تھا تو بھی وہ پُراطمینان تھے۔ اُنہیں یقین تھا کہ جو قادر اور عظیم خدا زندگی بھر میری راہنمائی کرتا آیا

ہے اور مجھے یہاں تک لے آیا ہے وہ اُس اَن دیکھے جہان میں بھی بی بی سارہ کے ساتھ ہو گا۔

خدائے رحیم و کریم کے فضل سے حضرت ابراہیم اپنی اہلیہ کی وفات کے بعد اڑتالیس سال تک زندہ رہے۔ اِتنے میں اُنہوں نے اپنے بیٹے حضرت اسحاق کی شادی اپنے خاندان کی ایک خوش شکل لڑکی سے رچائی اور اُنہیں ہنسی خوشی زندگی بسر کرتے دیکھا۔ لیکن پھر رفتہ رفتہ اِس دُنیا اور اُس کے دھندوں سے اُن کی دل چسپی کم سے کم تر ہوتی گئی۔ اُن کا جسم کمزور سے کمزور تر ہوتا گیا، اور اُن کے دل میں اِس خیمے کی زندگی کو چھوڑ کر آسمانی شہر میں جانے کی زبردست خواہش سر اُٹھانے لگی۔ زندگی کی شاہراہ کے یہ مسافر جنہوں نے اللہ کے اشارے پر تھکے ماندے قدموں سے طویل مسافت طے کی تھی اب دوسرے جہان کے لئے رختِ سفر باندھنے کو تیار تھے۔ الغرض وہ 175 سال کی لمبی عمر پا کر نہایت اطمینان سے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

اُن کے بیٹے حضرت اسحاق اور حضرت اسمٰعیل اپنے عظیم والد کے مشترکہ غم میں ایک دوسرے کے شریک تھے۔ وہ دونوں جنازے اور آخری رسومات کے وقت وہاں حاضر ہوئے۔ اُنہوں نے مل کر اپنے والد اور قبیلے کے بزرگ کی میت کو اُٹھا کر اُن کی وفادار بیوی سارہ کی قبر کے پاس دفن کیا۔ اِس طرح اُنہوں نے اور قبیلے کے باقی سب افراد نے اپنے سردار کو الوداع کہا جو ہر حال میں، ہر قیمت پر اللہ کے حکم کو مانتے رہے تھے۔ اب وہ بالآخر خیموں کی ناپائیدار جائے رہائش ترک کر کے مستحکم بنیادوں والے آسمانی شہر کے مکین بن گئے تھے۔ تھکے ماندے مسافر اپنے حقیقی وطن اور اصلی گھر پہنچ گئے تھے۔ اب وہ اُس خدا کو رُوبرو دیکھ سکتے تھے جس پر اُنہوں نے تادمِ مرگ ایمان رکھا تھا۔ اب وہ اپنی حقیقی منزل کو پہنچ چکے تھے۔ اِس جہان سے کوچ کے بعد اُن کے لئے ایک بہتر اور زیادہ بھرپور زندگی کا آغاز ہو چکا تھا۔